یکے از مطبوعاتِ بزمِ اقبال لاہور

(14)

اقبال اور تصوّف

از

پروفیسر محمد فرمان ایم اے

بزمِ اقبال
نرسنگھ داس گارڈن
— کلب روڈ —
لاہور

جملہ حقوق محفوظ

ناشر :
کریم احمد خاں معتمد بزم اقبال ، لاهور

۱۵۰۳۱

مطبع :
ریڈنگ پرنٹنگ پریس ، ۳- اردو بازار ، لاهور

Lahore
Lahore

زیر اہتمام :
نذیر محمد پال

UNIVERSITY LIBRARY

قیمت : دو روپے آٹھ آنے

۱۹۵۸

J. Alvi

فہرس

نمبر شمار		عنوان	صفحہ
۱-		دیباچہ	
۲-	پہلا باب	تصوف کی حقیقت	۱
		تصوف کتاب و سنت کی روشنی میں . .	۴
۳-	دوسرا باب	صوفیہ سے حسن عقیدت	۳۱
۴-	تیسرا باب	فکر اقبال پر ایک نظر	۴۶
۵-	چوتھا باب	عہد اضطراب	۷۲
		ذات	۷۵
		کشف و شہود	۸۵
۶-	پانچواں باب	مشرقی فلاسفہ و حکماء اور صوفیائے کرام	۸۹
		رومی رح	۹۰
		ابن عربی رح	۹۶
		الجیلی رح	۹۷
۷-	چھٹا باب	باب عرفان	۱۰۲
۸-	ساتواں باب	اقبال رح کے مسلک کے ارکان	
		رکن اول ــ انسانی عظمت	۱۲۹
		رکن دوم ــ عشق	۱۴۱
		اقبال رح اور عشق رسول ص I	۱۴۴
		" " " II	۱۴۷
		رکن سوم ــ حسن اخلاق	۱۵۸
۹-		کتب امدادی	الف

دیباچہ

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم نے خودی کا درس دیتے ہوئے انسانی خودی کی تکمیل کے لئے ضبط نفس اور اطاعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اسلامی تاریخ میں صوفیۂ کرام کی زندگیاں ضبط نفس اور اطاعت شعاری کا کامل نمونہ پیش کرتی ہیں۔ علامہ مرحوم نے ان بزرگواروں کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا ہے اور جن لوگوں نے روحانیت کو غیر اسلامی رنگ میں پیش کیا ہے، ان سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں تصوف اور اقبال کے مسلک پر بحث کرتے ہوئے اس بنیادی فرق کو نظر انداز نہیں ہونے دیا اور تصوف کے اس پہلو کو سراہا ہے جو قلب و نظر کو زندگی بخشتا ہے اور ہر لحظہ نیا طور اور نئی برق تجلی کا مشتاق ہے۔

اے حلقۂ درویشاں وہ مرد خدا کیسا !
ہو جس کے گریباں میں ہنگامۂ رستاخیز !

محمد فرمان

نور پور ۔ گجرات

۲۳ مارچ ۱۹۵۸ء

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں،
مرے مولا مجھے صاحب جنون کر

اقبال رح

پہلا باب

تصوف کی حقیقت

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق رض کے لئے ہے خدا کا رسول بس (اقبال)

شیخ ابوالنصر سراج رح نے کتاب اللمع میں یہ بتایا ہے کہ جب آنحضرت ص نے صدیق اکبر رض سے دریافت کیا کہ اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا ؟ تو انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ خدا اور رسول کو ، " یہ فقرہ توحید کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا اور سب سے پہلا صوفیانہ ارشاد تھا جو انسانی زبان سے ادا ہوا "...[1]

تصوف کی اصلیت کیا ہے ، اسے اسلام کے بنیادی افکار سے کتنا تعلق ہے ، نبی کریم ص اور صحابہ کرام رض کی زندگیوں سے کہاں تک اس کی تصدیق ہوتی ہے ؟

" منکرین تصوّف کا ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن و حدیث میں نہ کہیں صوفیہ کا ذکر آیا ہے ، نہ تصوف کا ، اس لئے اس مسلک کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا ۔ لیکن حضرت مصنف جس تصوف کے قائل ہیں ، کلام مجید اس کے ذکر سے بھرا پڑا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں بکثرت ایسے الفاظ و عبارات موجود

۱- صفحہ ۲۴ - تصوف اسلام عبد الماجد صاحب طبع ثانی ۱۳۴۸ھ

هیں جن سے اهل تصوف هی مراد هیں مثلاً صادقین ، قانتین ، خاشعین ، موقنین ، مخلصین ، . . . . وغیره . . .،،١

''معترضین کا ایک گروه کہتا ہے کہ عہد رسالت میں کوئی شخص صوفی کے لقب سے یاد نہیں کیا جاتا تھا اور یه اصطلاح بہت بعد کو ایجاد هوئی هے ، اس لئے اسے کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی - مصنف نے اس کا نہایت معقول و دلچسپ جواب دیا هے - ' که صحاب رسول صلعم کے لئے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل هو هی نہیں سکتا تھا ، اس لئے که ان کے جتنے بھی فضائل تھے ، سب سے اشرف و اعظم ان کی فضیلت صحابیت تھی که صحبت رسولؐ تمام بزرگیوں اور فضیلتوں سے بڑھ کر هے - ان کا زهد ، فقر ، توکل ، عبادات ، صبر و رضا ، غرض جو کچھ بھی ان کے فضائل تھے ، ان سب پر ان کا شرف صحابیت غالب تھا - پس جس شخص کو لفظ صحابی سے ملقب کر دیا گیا - تو اس کے فضائل کی انتہا هو گئی اور کوئی محل هی باقی نہیں رها که اسے صوفی یا کسی دوسرے تعظیمی لفظ سے یاد کیا جائے . . .،، ٢

'' باقی رها یه کہنا که یه اصطلاح بغدادیوں کی رائج کرده اور متاخرین کی اختراع هے سو مصنف کی تحقیق میں یه قول بالکل غلط هے ، اس لئے که یه لفظ حسن بصریؒ کے زمانے میں رائج تھا ، در آنحالیکه حسن بصریؒ کا زمانه بعض صحابیوں کی معاصرت کا تھا - چنانچه ان کے اور سفیان ثوریؒ کے اقوال میں یه لفظ صوفی استعمال هوا هے - بلکه کتاب اخبار مکه کی ایک روایت کے بموجب یه لفظ عهد اسلام

١- کتاب اللمع صفحه ١٦ بحواله تصوف اسلام صفحه ١٩ -

٢- کتاب اللمع صفحه ٢٢ -

سے پیشتر بھی رائج تھا اور عابد و برگزیدہ اشخاص کے لئے مستعمل ہوتا تھا۔۔۔"۱

اسی مصنف نے اپنی کتاب اللمع میں لفظ تصوف۲ اور صوفی کے اشتقاق پر مفصل بحث کی ھے اور تصوف کو تمام تر قرآن و سنت سے متعلق ثابت کر دکھایا ھے۔۳

اب ہم کتاب اللمع کے بعد کی ایک مشہور تصنیف رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم قشیری سے دو ایک حوالے نقل کرتے ھیں۔ یہ رسالہ عربی میں ھے اور کشف المحجوب سے چند سال پیشتر مرتب کیا گیا ھے۔ انہوں نے آغاز باب میں لفظ تصوف و طریقہ تصوف کی تاریخ چند لفظوں میں یوں بیان فرمائی ھے۔

"رسول اللہ صلعم کے زمانے کے معاصر مسلمان کے لئے سب سے زیادہ پر فخر و افضل لقب صحابی کا ھوسکتا تھا۔ چنانچہ اسی لقب سے اس کے وقت افاضل موسوم ھوئے۔ اس کے بعد جب دوسری نسل پیدا ھوئی تو ان صحابین صحابہ کے لئے تابعین کی اصطلاح چلی اور ان کی آنکھیں دیکھنے والے تبع تابعین کہلائے۔ اس کے بعد جب قوم زیادہ پھیلی اور طرح طرح کے لوگ پیدا ھونے لگے تو جن لوگوں کو امور دینی میں زیادہ غلو و انہماک ھوا انہیں زھاد و عباد کہا جانے لگا۔ لیکن جب بدعتوں کا ظہور ھؤا اور فرقہ فرقہ الگ ھوگئے تو ھر فرقہ مدعی بن بیٹھا کہ زھاد و عباد انہیں میں ھیں۔

۱- تصوف اسلام صفحہ ۱۹ تا ۲۰ - کتاب اللمع صفحہ ۲۲ -

۲- اس کے بعد اس پر سیر حاصل تبصرہ کشف المحجوب میں ملتا ھے - (صفحہ ۲۲ تا ۳۱ - باب سوم -)

۳- تفصیل کے لئے دیکھئے تصوف اسلام صفحہ ۲۰ تا ۲۷ -

اس وقت اهل سنت کے طبقۂ خاص نے جو ذکر الٰہی میں مشغول اور غفلتوں سے دور رهتا تھا ، اپنے لئے 'اهل تصوف ، کی اصطلاح قائم کی اور هجرت کو ابھی دو صدیاں نہیں هوئی تھیں که یه لقب اس طبقۂ خواص کے اکابر کے لئے مخصوص هوگیا ۔،، ۱

همیں دیکھنا یه هے که کتاب و سنت سے فی الواقع کہاں تک اس مسلک کی تصدیق هوتی هے ۔

تصوف کتاب وسنت کی روشنی میں

''صوفیۂ کرام اپنے عمل کا جواز قرآن و سنت سے پیش کرتے هیں ۔ تصوف کی بنیاد دو چیزوں پر هے ۔ محبت الٰہی اور معیت ذاتی ۔ صوفیه کا کہنا هے که کتاب الله میں خود محبت الٰہی کی دعوت دی گئی هے اور بے شمار آیتوں میں اس کے نتیجے کے طور پر معیت اور قرب ذاتی کا وعده کیا گیا هے ۔ یہی چیز هے جسے تصوف کی اصطلاح میں معرفت کہتے هے ۔ مثلاً

ومن الناس من یتخذ من دون الله انداداً یحبونهم کحب الله ، والذین آمنوا اشد حبا لله ؕ (۲ : ۱۶۵)

(اور دیکھو) انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے هیں جو دوسری هستیوں کو الله کا هم پله بنا لیتے هیں ۔ وه انهیں اس طرح چاهنے لگتے هیں جس طرح الله کو چاهنا هوتا هے ۔ حالانکه جو لوگ ایمان رکھتے هیں ، ان کی زیاده سے زیاده محبت صرف الله هی کے لئے هوتی هے ۔

---

۱ ۔ تصوف اسلام بحواله ۔ صفحه ۶۶ و ۶۷ ۔ رساله قشیریه صفحه ۷—۸ ۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی، یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم ط و اللہ غفور رحیمO (۳ : ۳۱)

اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو ، اگر واقعی تم اللہ سے محبت رکھنے والے ہو تو چاہئے کہ میری پیروی کرو ، اس طرح خدا خود تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور یہ صوفیہ کے مسلک کی بہترین وضاحت ہے۔

وانزل اللہ علیک الکتاب و الحکمۃ و علمک مالم تکن تعلم ط ۴ : ۱۱۳

اللہ نے تم پر (اے محمدؐ) کتاب آتاری اور حکمت نازل کی اور وہ باتیں بتائیں جو تم کو معلوم نہ تھیں۔

صوفیہ کا کہنا ہے کہ یہاں حکمت سے مراد علم باطن ہے۔ نیز عبادتِ الٰہی میں انہاک کے سلسلے میں ذیل کی آیات غور طلب ہیں۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدونO ۵۱ : ۵۶ اور فا ذکروا اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبکم ج ۴ : ۱۰۳

بس تم اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے یاد کرو ، ۔ اس طرح کی یاد اور دائمی عبادت ذکر قلبی کے سوا کیسے ممکن ہے۔

تتجافیٰ جنوبہم عن المضاجع یدعون ربہم خوفاً و طمعاً ۳۲ : ۱۶

جن کے پہلو (رات کو) خواب گاھوں سے علیحدہ رہتے ہیں ، وہ خوف اور آمید کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔

اسی طرح قرب ذاتی یا معرفت ، جسے صوفیہ اپنا منشا و مقصد قرار دیتے ہیں ، کلام پاک سے ثابت ہے ۔ حضرت مجدد الف ثانی رح ایک مکتوب میں لکھتے ہیں : ۱

" اقربیت او تعالی بما از ما به نص قطعی ثابت شده است "

ادعونی استجب لکم (۴۰ : ۶۰) وھو معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر O (۵۷ : ۴)

تم مجھے پکارو میں تم کو جواب دونگا ۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے ، جہاں کہیں تم ہو ۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے ۔

نحن اقرب الیہ منکم و لکن لا تبصرون (۵۶ : ۸۵)

ہم اس سے تمھاری بہ نسبت قریب تر ہیں مگر تم نہیں دیکھتے ۔

ونعلم ما توسوس بہ نفسہ ، و نحن اقرب الیہ من حبل الورید O (۵۰ : ۱۶)

ہم جانتے ہیں ۔ جو باتیں آتی رہتی ہیں اس کے جی میں اور ہم اس سے اس کی رگ جان سے زیادہ قریب ہیں ۔

قرآن میں سورۃ مزمل میں جس طرح نبی کریم ص کو رات کے وقت جاگ کر عبادت کرنے کو کہا گیا ہے ، اس سے کثرت عبادت کا جواز نکلتا ہے ۔

---

۱ ۔ مکتوب ۲۵ ۔ دفتر اول ۔

واذکر اسم ربک وتبتل الیه تبتیلا○ (۷۳ : ۸)

اپنے پروردگار کا نام لے اور ہر چیز سے کٹ کر اس کی طرف ہو جا۔

صوفیۂ کرام اسی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ احادیث نبوی ص میں جس چیز کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ تصوف ہی ہے۔

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

احسان یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رح نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس حدیث شریف پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ حقیقی تصوف یہی ہے [1]

نبی کریم ص کی غار حرا میں عبادت گزاری اور اصحاب صفہ کا وجود تصوف کے مسلک کے لئے وجہ جواز پیش کرتا ہے:

مصطفیٰ اندر حرا خلوت گزید
مدتے جز خویشتن کس را ندید
نقش مارا در دل او ریختند
ملتے از خلوتش انگیختند

یہی خلوت گزینی، کمال کے لئے لازمی ہے:

---

۱ - تاریخ مشائخ چشت رح - صفحہ ۲۳ تا ۳۰ -

گرچه داری جان روشن چوں کلیم
هست افکار تو بے خلوت عقیم

اس عہد میں آدمی مخلوق سے کم آمیزی اختیار کرتا ہے اور یہ رہبانیت نہیں ہوتی :

از کم آمیزی تخیل زندہ تر
زندہ تر ، جوئندہ تر ، یا بندہ تر

اقبال نے ایک اور جگہ اسے یوں بیان کیا ہے :

در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

"اصحاب صفہ کا وجود ، خود اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اکرم صلعم عبادت میں ہمہ وقت انہماک کو ایک خاص طبقہ کے لئے برا نہیں سمجھتے تھے - سورۃ انعام اور سورۃ کہف میں ان بزرگوں کی عبادت و ریاضت کی تعریف کی گئی ہے - قرآن میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ص سے فرماتا ہے کہ :

ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشي يريدون وجهه (٦ : ٥٢) . . . ولا تعد عيناك عنهم ج تريد زينة الحيوة الدنيا ج - (١٨ : ٢٨)

ان لوگوں کو کہ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی ذات پاک کی خواہش رکھتے ہیں دور مت کر اور اپنی آنکھیں یعنی توجہ کی نگاہ ان کی طرف رکھ اور ان کو نظر حقارت سے نہ دیکھ ، کیا تو دنیا کی زندگی میں زینت چاہتا ہے -

اسی واسطے رسول اللہ ص جہاں کہیں ان کو دیکھتے تو فرماتے کہ "میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں ، خدائے تعالیٰ نے تمھاری بابت مجھ پر عتاب فرمایا" ۱

"قران میں ایمان کی سب سے بڑی علامت اور خاصیت محبت الٰہی کو قرار دیا گیا ہے - ارشاد ہوتا ہے :

والذین آمنو اشد حباً للہ ۲ : ۱۶۵

اور جو ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں -

خود رسول کریم ص کی زندگی ، محبت الٰہی میں سرشاری کی زندگی تھی - آپ ص دعا فرمایا کرتے تھے :

اللھم اجعل حبک أحب الی من نفسی و اھلی و من الماء البارد (ترمذی)

الٰہی تو اپنی محبت کو میری جان سے ، میرے اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب رکھ -

شبلی رح کا یہ قول صوفیۂ کرام کے حالات کا آئینہ دار ہے :

الفقیر من لا یستغنی بشیء من دون اللہ

فقیر حق کے سوا کسی چیز سے آرام نہیں پاتا -" ۲

ان اقتباسات میں دو امور بڑے واضع ہیں - (الف) محبت الٰہی (ب) ہر طرف سے کٹ کر اسی کا ہو جانا - اسے صوفیہ نے

---

۱ - تاریخ مشائخ چشت رح - صفحہ ۳۱ - ۳۲ -

۲ - کشف المحجوب صفحہ ۱۹ -

ترک دنیا کی اصطلاح سے واضح کیا ھے اور یہ درست ھے کہ بعض نا سمجھوں نے اسے رھبانیت سے جا ملایا ھے اور اس طرح ان کا عمل جمود و سکون میں بدل گیا اور تصوف کو بے عملی قرار دیا جانے لگا ۔ لیکن 'ترک دنیا' کا اصل معنیٰ بے نیازی اور استغناء ھے ۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیارح فرماتے ھیں :

ترک دنیا آن نیست کہ کسے خود را برھنہ کند مثلاً لنگوتہ بہ بندد و بنشیند ۔ ترک دنیا آن است کہ لباس بپوشد و طعام بخورد و آنچہ میر سد ، روا بدارد ۔ و بجمع آومیل نکند و خاطر را متعلق چیزے ندارد ۔ ترک دنیا است ...۱

ترک دنیا کے یہ معنی نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا کر کے اور لنگوٹا باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترکِ دنیا یہ ھے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی اور حلال کی جو چیز پہنچے اسے روا رکھے ، لیکن اس کے جمع کرنے کی طرف رغبت نہ کرے اور دل کو اس سے نہ لگائے ۔ ترک دنیا یہ ھے ۔

اور تمام صوفیۂ کرام کی زندگیاں اسی استغنا پر شہادت کے طور پر پیش کی جاسکتی ھیں اور اقبال کے نزدیک تو ع ۔

"کہ استغنا میں پایا میں نے معراج مسلمانی" ھی کمال دین ھے ۔

پہلے امر کے بارے میں مستشرقین نے بڑی غلط فہمیاں پھیلائی ھیں اور ان کے مقلد حضرات نے ان کے فیصلے کو حرف آخر سمجھ کر تصوف کو تمام تر غیر اسلامی رد عمل (مذھب اسلام کے خلاف)

---

۱ ۔ فوائد الفواد صفحہ ۹ ۔

قرار دیا ہے ۔ ان مستشرقین کی غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے مولانا شیخ غلام احمد صاحب ، ایم۔اے کی کتاب صبغة اللہ کا مطالعہ کرنا چاہئے ۔ وہ صفحہ ۲ پر رقمطراز ہیں ۔

”مجھے یاد ہے کہ ۱۹۲۱ء میں ڈاکٹر نکلسن پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی نے جن کا بساط تصوف کے مشہور شاطروں میں شمار ہے انگلستان میں مسلمان نوجوانوں کی ایک جماعت کے سامنے اسلامی تصوف پر انگریزی میں ایک خطبہ پڑھا ۔ اس کے لفظ لفظ سے یہ بات ٹپک رہی تھی کہ حب اللہ اور فنا فی اللہ کا اصول اسلامی تصوف کا اپنا نہیں بلکہ باہر سے لیا گیا ہے ۔ اس خطبے کا ترجمہ یہاں کے متعدد رسالوں میں چھپا اور یہ میری نظر سے بھی گزرا ، اس لئے مجھے خیال ہوا کہ اس زاویۂ نگاہ سے اسلامی تصوف پر ایک جامع کتاب کا لکھا جانا از بس ضروری ہے ۔ سید سلیمان ندوی مدیر رسالہ معارف نے اس خطبے پر کچھ تنقید لکھی ۔ تنقید گو اچھی تھی لیکن صوفیہ کے نقطۂ نظر سے جامع نہ تھی کیونکہ سید صاحب موصوف نے دبی زبان میں ڈاکٹر موصوف کا دعویٰ ایک حد تک تسلیم کر لیا تھا . . . “[۱] گزشتہ اقتباسات کی روشنی میں نکلسن کا یہ بیان کتنا مضحکہ خیز ہے ۔

مولانا ماہرالقادری نے رسالہ شاعر، کے جولائی اگست نمبر ۱۹۴۴ء میں ”اقبال نے کیا کہا ؟“ کے عنوان کے تحت تصوف پر یوں اظہار خیال کیا ہے :

” تصوف کا غیر اسلامی پہلو بھی ، ہوائے نفس کی خوبصورت ایجاد ہے ۔ عجم کا فلسفہ ، مزدک اور مانی کی تعلیمات ، یونان کے

---

۱ - ”عرفان اقبال اور افادات نیازی“ ۔ صفحہ ۷۴ - ۷۵ -

عقلی مسائل ، ہند و بھارت ورش کا ویدانت ، تصوف میں شامل ہوگیا ۔ فنا و بقا ، قبض و بسط ، صحو و سکر اور 'محاصرہ' و 'مکاشفہ' یہ سب عجمی اصطلاحات ہیں جو بعد میں تراشی گئیں . . . ،،

یہ سب مستشرقین کی پیروی میں کہا جارہا ہے ۔

علامہ اقبال بھی ان باتوں سے متاثر ہوئے ۔ بعد میں جب انھوں نے امام غزالیؒ کی تصانیف کا مطالعہ کیا تو ان پر حقیقت حال منکشف ہو گئی اور انھوں نے فلسفۂ عجم میں آیات قرآنیہ سے حکمت اور باطنی تعلیم کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا :

''میرے خیال میں یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ قرآن و احادیث صحیحہ میں صوفیانہ نظریے کی طرف اشارات موجود تھے ، لیکن وہ عربوں کی خالص عملی ذہانت کی وجہ سے نشو و نما پا کر بار آور نہ ہوسکے ۔ جب اُن کو غیر ممالک میں موزوں حالات میسر آگئے تو وہ ایک جداگانہ نظریے کی صورت میں جلوہ گر ہوگئے ۔،،

(فلسفہ عجم۔اقبال)

پروفیسر سید صفی حیدر نے اپنی کتاب '' تصوف اور اردو شاعری ،، میں ''تصوف کا ماخذ،،۱ کے عنوان سے تصوف کے مسلک پر دور حاضر کے مختلف نظریات کو سامنے رکھ کر بحث کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے ۔

'' اس کے ماخذ کے بارے میں متعدد نظریے پیش کئے گئے ہیں ، جن میں سے چار نظریے خاص طور پر موضوع بحث قرار دئے جاسکتے ہیں :

---

۱ ۔ صفحہ ۴۶/۶۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۴۸ء ۔

۱ ۔ تصوف ایک خود رو تحریک ہے ۔
۲ ۔ تصوف سامی مذہب کے خلاف ایک آریائی رد عمل ہے ۔
۳ ۔ تصوف اشراقیت جدید سے ظہور میں آیا ۔
۴ ۔ تصوف کا ماخذ خالص اسلامی تعلیم ہے ۔''

پہلے نظریے کے ضمن میں یہ بتایا ہے کہ اسلام کی تعلیمات صرف مادیت تک محدود نہیں ان میں روحانی نشو و نما کا بھی پیغام موجود ہے ۔ دوسرے کے تحت یہ واضح کیا ہے :

'' ایرانی اور ہندوستانی مذاہب کے خاکے پیش کردینے کے بعد یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ اگرچہ ایران میں توحید کا عقیدہ کسی نہ کسی شکل میں تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن وہ اس نوعیت کا ہرگز نہیں جو تصوف کا ماخذ قرار دیا جاسکے ۔ پھر تاریخی شواہد سے بھی اس خیال کی تائید نہیں ہوتی . . . . '' ۱
'' یہ شبہ درحقیقت اس سبب سے پیدا ہوتا ہے کہ صوفیوں کا مسئلۂ وحدت وجود ، فلسفہ ویدانت سے مشابہ ہے ۔ لیکن جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے ، محض یہ مشابہت دلیل قطعی کے طور پر پیش نہیں کی جاسکتی ۔ فلسفہ ویدانت کا ترجمہ عربی زبان میں ہونا ثابت نہیں ۔ پھر اہل عرب اس سے کس طرح آشنا ہوسکتے تھے ۔ . . . '' ۲
تیسرے کے ضمن میں یہ کہا ہے :

'' فلسفۂ یونان کی آمد مسلمانوں میں تیسری صدی ہجری میں ہوئی ۔ لیکن تصوف اس سے پیشتر وجود میں آچکا تھا ، اس لئے

---

۱ ۔ تصوف اور اردو شاعری صفحہ ۵۵ ۔
۲ ۔ تصوف اور اردو شاعری صفحہ ۵۷ ۔

اشراقیت کو تصوف کا ماخذ نہیں بلکہ فلسفۂ تصوف کا سرمایۂ فروغ قرار دے سکتے ھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" ۱

چوتھے نظریے کے تحت قرآن و سنت سے حوالے دے کر کہا ھے "صوفیہ کی فطرت میں جوھر تصوف موجود تھا ، اس لئے خود بخود رونما ھوا ۔ ان کے زیادہ تر مشاغل و اعتقادات خالص اسلامی ھیں ۔ لیکن چونکہ ان کو متعین اور شعوری طور پر قرآن و حدیث سے اخذ نہیں کیا گیا ۔ اس لئے یہ نظریہ بھی بطور کلی قابل قبول نہیں ۔

تمام نظریات پر گہری نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ھے کہ ان سب میں جزوی صداقت موجود ھے ۔ ھماری رائے میں روح تصوف خود رونما ھوئی ۔ اسلامی تعلیمات نے اس کا پیکر تیار کیا اور اشراقیت اور ویدانت نے اس پیکر کو زینت دی ، جس کی اصلی ھیئت رفتہ رفتہ کچھ سے کچھ ھوتی چلی گئی ۔ ۔ ۔ ۔" ۲

پروفیسر سید صفی حیدر صاحب سے لب بام دو ھاتھ رہ گیا ھے ۔ اگر ان کے پیش نظر دور اول کے صوفیۂ کرام کے سوانح حیات ھوتے تو وہ یہ نہ کہتے کہ مشاغل و اعتقادات کو چونکہ متعین اور شعوری طور پر قرآن و سنت سے نہیں لیا گیا ، اس واسطے یہ نظریہ (۴) بھی بطور کل قابل قبول نہیں۳ نیز نظریات مختلفہ میں جزوی صداقت والی بات واضح کرنے کی ضرورت تھی اور یہی مقام سب سے زیادہ دقیق ھے ۔

---

۱ ۔ تصوف اور اردو شاعری صفحہ ۶۱ ۔

۲ ۔ تصوف اور اردو شاعری صفحہ ۶۴ ۔

۳ ۔ تفصیل اور تشریح کے لئے دیکھئے تصوف اسلام ۔ مولانا عبدالماجد دریابادی ۔

ان غلط فہمیوں اور تصوف سے بیزاری کی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض صوفیہ نے اپنے مسلک کو معجون مرکب بنا دیا ہے ۔ مولانا عبدالماجد رقمطراز ہیں :

" تصوف کی موجودہ مسخ شدہ شکل ، یونانی اوہام ، ایرانی تخیلات ، ہندی مراسم اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجون مرکب ہے ، جس کے صرف بعض اجزا اسلامی کہے جاسکتے ہیں اور وہ بھی بڑی تلاش و دیدہ ریزی کے بعد نظر آتے ہیں ۔ حاشاثم حاشا ۔ یہ اسلامی تصوف نہیں ۔ اسلامی تصوف وہ تھا جوخود حضرت سرورکائنات صلعم کا تھا ، جو ابوبکر صدیق رض و علی مرتضیٰ رض کا تھا ، جو سلمان رض و ابوذر رض کا تھا ، جس کی تعلیم جنید رح بغدادی اور رابعہ بصری رح نے دی ہے ، جس کی ہدایت شیخ جیلانی رح و شیخ سہروردی رح ، خواجہ اجمیری رح و محبوب الہٰی دہلوی رح ، خواجہ نقشبندی رح و مجدد سرہندی رح کرتے رہے اور جس کی دعوت اس دور آخر میں شاہ ولی اللہ دہلوی رح کی زبان قلم دیتی رہی ۔ " ۱

یہی مصنف صفحہ ۱۵۰ پر لکھتے ہیں :

" اسلامی تصوف بھی اب خالص اسلامی تصوف نہیں رہا ہے ۔ ذوالنون مصری رح و جنید بغدادی رح کا تصوف صحابہ کرام رض کی تقلید تھی ۔ ان کے عقائد و اعمال ابوبکر رض و علی رض کے عقائد و اعمال تھے اب شیخ محی الدین بن عربی رح اور ان کے تلامذہ کے اثر سے تصوف بھی ایک فلسفہ بن چکا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

اس کتاب میں مولانا نے دور حاضرہ کے تصوف اور عہد متوسط کے تصوف پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے شیخ ابوالنصر سراج رح کی

---

۱ ۔ تصوف اسلام صفحہ ۲ ۔ ۳ ۔

کتاب اللمع ، حضرت داتارح کی کتاب کشف المحجوب ، ابوالقاسمرح
کی کتاب رسالۂ قشیریہ ، غوث اعظمرح کی کتاب فتوح الغیب ،
عوارف المعارف از شیخ شہاب الدین سہروردیرح ، فوائد الفواد
ملفوظات نظام الدین اولیارح ، نیز منطق الطیر از فریدالدین عطار رح
اور مولانا جامیرح کی لوائح سے حوالے دے کر اصل تصوف کو
واضح کیا ہے - فرماتے ہیں :

(" آج ایک عام خیال یہ پھیلا ہوا ہے کہ تصوف اسلام
سے الگ ایک مستقل نظام مذہبی کا نام ہے اور خیر ہندوستان کے
ان پڑھ عوام تو ایک حد تک معذور ہیں، یورپ کے فضلاء مستشرقین
سب کچھ پڑھ چکنے کے باوجود اور جان لینے کے بعد بھی اسی
غلط فہمی میں مبتلا نظر آتے ہیں . . . . تصوف اپنی اصلی ، خالص ،
سادہ صورت میں اسلام کی کامل ترین صورت کے مرادف ہے - بیرونی
عناصر کا امتزاج صرف اسی وقت شروع ہوا ، جب تصوف دور انحطاط
میں آ چکا تھا - . . . "١

ان تمام اقتباسات سے ذیل کی چند باتیں ہماری توجہ کا مرکز
بنتی ہیں ، جن پر تفصیل سے اظہار خیال کرنا ضروری ہے :

١ - صحابہ کرامرض کے عہد میں کسی کامل کے نام کے ساتھ صوفی
کا لفظ آتا ہے یا نہیں ؟

٢ - کیا صحابہ کرامرض نے عہد نبوت میں صوفیۂ کرام رح کی طرح
کی سخت ریاضتیں کی ہیں ؟

---

١ - تصوف اسلام طبع دوم صفحہ ٩٦ -

۳ - تصوف اسلام کا فروغ ابتدائے اسلام میں کیوں نہیں ہوا ؟

۴ - دوسرے مذاهب اور افکار کے سلسلوں اور تصوف کے افکار میں جو مشابہت ہے ، اس کی حقیقت کیا ہے ؟

پہلے سوال کا جواب کتاب اللمع اور رسالہ قشیریہ کے حوالے سے دیا جا چکا ہے اور وہی ہمارے نزدیک کافی اور واضح ہے - دوسرے اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ نے واقعی نہایت شدید ریاضتیں کی ہیں ، جن میں سے اصحاب صفہ کا وجود اس امر پر کافی شہادت پیش کرتا ہے - لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے کے اکثر حضرات نفس کے اس طرح کے محاسبے اور مراقبے میں مصروف نظر نہیں آتے ، جو بعد کے صوفیہ کے کمالات کے لئے معروج نظر آتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ تصوف اسلام کا فروغ ابتدائے اسلام میں نہیں ہوا -

راقم الحروف کے نزدیک تصوف اور اسلام کی حقانیت کا راز اسی میں مضمر ہے کہ اسلام میں ایک عرصہ گزرنے کے بعد جب اس کے سماجی اور مادی نظریات واضح ہو گئے تو اس میں روحانی ترقی کرنے کے لئے ایک باقاعدہ تحریک عمل میں آتی ہے - اگر یہ تحریک اپنی پوری شدت کے ساتھ پہلی صدی ہی میں رونما ہوتی تو اس طرح اس تحریک کو تمام تر غیر اسلامی اثرات اور اسلامی مذہب کے خلاف دوسرے مذاهب کا رد عمل قرار دیا جاتا - جس طرح انسان بلوغت کے ایک خاص مقام پر پہنچ کر دانائی اور حکمت کی سر زمین میں قدم رکھتا ہے ، اسی طرح ایک ملت بھی اپنی ابتدائی نشو و نما کے مراحل طے کر لینے کے بعد ہی حکمت اور روحانی کمالات کے ظاہر کرنے کے لئے آمادہ نظر آتی ہے - لیکن اس سے یہ خیال نہیں

کر لینا چاھئے کہ صحابہ کرام رض روحانی کمالات میں کسی سے کم تر تھے ۔

حضرت مجدد الف ثانی رح فرماتے ھیں :

"کہ وہ قرب جو فنا و بقا اور سلوک و جذبہ پر موقوف ھے ، قرب ولایت ھے ، جس سے اولیائے امت مشرف ھوئے اور وہ قرب جو حضرت خیر الانام علیہ الصلواۃ و السلام کی صحبت سے اصحاب رض کو میسر ھوا ، قرب نبوت ھے جو تبعیت اور وراثت کے طور پر ان کو حاصل ھوا ۔ اس میں نہ فنا و بقا ھے ، نہ جذبہ و سلوک ۔ یہ قرب ، قرب ولایت سے افضل ھے کیونکہ یہ قرب ، قرب بالاصالت ھے ۔ اور وہ قرب ، قرب ظلیت ۔ ھاں اگر قرب ولایت کی راہ سے کمالات نبوت کی بلندی پر عروج واقع ھو تو فنا و بقا اور جذبہ و سلوک ضروری ھیں اور اگر اس راستے پر نہ چلیں اور قرب نبوت کی شاھراہ کو اختیار کریں تو پھر فنا و بقا ، جذبہ و سلوک کی کچھ حاجت نہیں ۔ تمام اصحاب کرام رض قرب نبوت کی شاھراہ پر چلتے ھیں ، جس میں جذبہ و سلوک اور فنا و بقا درکار نہیں . . . ۔"[1]

صحابہ کرام کو مجاھدۂ نفس کے لئے مراقبہ و محاسبہ کے طریقوں کی ضرورت نہیں تھی اور آج بھی ھر سلسلے کی تعلیم کا یہ بنیادی مسئلہ ھے کہ جب سالک کو شیخ کی حضوری میں باریابی کا شرف حاصل ھو ، اسے مجاھدے کی چنداں ضرورت نہیں ھوتی ۔ کامل کی صحبت میں ایک لمحہ بیٹھنا روح کو اتنا پاکیزہ بنا دیتا ھے کہ اس کے مقابلے میں سو سال کی بے ریا عبادت کمتر نظر آتی ھے اور اسی صحبت کی برکت سے منازل سلوک طے ھوتی ھیں ۔

۱۔ مکتوبات امام ربانی رح دفتر اول مکتوب نمبر ٣١٣ ۔

اس لئے صحابہ کرام رض کے عہد میں مراقبہ و محاسبہ کی موجودہ صورتوں کا نہ ہونا ہی تصوف کی صداقت کے لئے ایک قوی دلیل ہے۔

چوتھا سوال نہایت اہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے افکار، مجاہدات کی صورتوں اور بعض مشاغل کے دوسرے روحانی مسالک کے ساتھ ہم آہنگی، بعض حالتوں میں سرسری اور بعض حالتوں میں نہایت گہرے طور پر موجود ہیں۔ اس سے تصوف کے غیر اسلامی ہونے کے لئے وجہ جواز نہیں نکل سکتی۔

"نکلسن نے اس خیال کو بڑے وثوق کے ساتھ اپنی تصانیف میں پیش کیا ہے کہ تصوف یونانی فلسفے کے زیر اثر پیدا ہوا۔ اس نے صوفیۂ کرام اور حکمائے یونان کے خیالات میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔ ڈوزی (Dozy)، فان کریمر (Von Kremer) وغیرہ کی رائے ہے کہ تصوف فلسفۂ ویدانت سے ماخوذ ہے۔ پھر کچھ لوگ بدھ مذہب کو اس کا منبع قرار دیتے ہیں . . . "[1]

"اگر دو تحریکوں کے بنیادی اصولوں میں یکسانیت ہو تو محض اس یکسانیت کی بنا پر ایک تحریک کو دوسری تحریک سے ماخوذ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ممکن ہے یہ دونوں تحریکیں ایک ہی قسم کے اسباب اور ایک ہی قسم کے حالات گرد و پیش کا نتیجہ ہوں۔

(تصوف کے خیالات کا اظہار، ہر ملک، ہر زبان اور ہر مذہب میں ہوا ہے۔ ظاہر سے ہٹ کر باطن کی طرف متوجہ ہونا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ ولبر فورس کلارک اور لوئی میسی نون کا خیال ہے کہ ہر قوم ایک خاص وقت میں تصوف کی طرف

---

۱ - تاریخ مشائخ چشت رد صفحہ ۲۰ -

راغب ہوتی ہے - یہ ضروری نہیں کہ یہ خیالات دوسروں ہی سے اخذ کئے جائیں - حالات خود انسانی فطرت کو باطنی اصلاح و تربیت کی راہیں تلاش کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں ...."۱

ہمیں چند باتیں ذہن نشین رکھنی چاہئیں :

(الف) "رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے تھے - انہوں نے وہی چیز پیش کی جو ان سے پہلے انبیائے کرام پیش کرتے چلے آئے ہیں - قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :

مایقال لک الا ما قد قیل للرسل من قبلک ط ۴۱ : ۴۳

(اے محمد ص) تجھ سے اس کتاب میں وہی کہا گیا ہے ، جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا -

(اسی بنا پر رسول کریم ص نے پہلی قوموں کے دینی سرمائے سے بے تعلقی کا اظہار نہیں کیا بلکہ یہ بتایا کہ وحیٔ الٰہی کا جو سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا ، وہ ان پر ختم ہو گیا - ہر قوم کی شریعت میں سچائیاں تھیں - ماننے والوں نے ان کو مسخ کر دیا - بہر حال اسلام میں اگر کوئی چیز ایسی پائی جائے جو پہلے کسی قوم کے دینی سرمائے کا خاص جزو رہی ہو تو اس کو 'غیر اسلامی ، کہنا صحیح نہیں ہے)...."۲

"مستشرقین اور عیسائی مصنفین کا ایک خاص رویہ یہ ہے کہ وہ اسلام میں بہت سے قدیم مذاہب کی تعلیمات اور اثرات تلاش کرنے میں بڑی جد و جہد کرتے ہیں اور پھر نہایت فاتحانہ انداز میں

---

۱ - تاریخ مشائخ چشت رح صفحہ ۲۱ -

۲ - تاریخ مشائخ چشت رح صفحہ ۲۲ -

اپنی تحقیقات کا 'انکشاف' کرتے ہیں ۔ . . .۱'' تاکہ اس طرح دین محمدی کو دوسروں کی تقلید اور نقالی قرار دینے میں وہ حق بجانب ہو سکیں اور یہی رویہ انہوں نے تصوف کے ضمن میں جان بوجھ کر اختیار کیا ہے ۔

(ب) '' بعض لوگوں سے ایک شدید غلطی یہ ہوئی ہے کہ انہوں نے تصوف کے ماخذ کا تعین بعد کے اثرات کی بنا پر کیا ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ رح کا خیال ہے کہ مختلف روحانی سلسلوں نے افکار و اشغال کے جو طریقے اختیار کئے وہ مخصوص علاقوں کے بسنے والے لوگوں کے طبعی رجحانات کو سامنے رکھ کر کئے گئے ہیں . . . '' ۲

صوفیۂ کرام نے اسلام کے بنیادی اصولوں پر استحکام کے ساتھ گامزن ہوتے ہوئے ممکن ہے ایسا کیا ہو ۔

گفت حکمت را خدا خیر کثیر ۔ ہر کجا این خیر را بینی بگیر (اقبال رح)

مختلف اقوام کے نظریات میں مشابہت ہوا کرتی ہے ۔ علامہ اقبال رح نے نکلسن کے نام اپنے مکتوب میں لکھا ہے :

''بد قسمتی سے اہل مغرب اسلامی فلسفے کی تعلیم سے نا آشنائے محض ہیں ۔ اے کاش مجھے اس قدر فرصت ہوتی کہ میں اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھ کر مغربی فلسفیوں کو اس حقیقت سے روشناس کراتا کہ مختلف قوموں کے فلسفیانہ خیالات ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہیں . . . ۳''

بشیر مخفی صاحب کی رائے اس ضمن میں بڑی صائب ہے

---

۱ - تاریخ چشت رح صفحہ ۲۱ ۔

۲ - تفہیمات الٰہیہ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت رح صفحہ ۴۲ ۔

۳ - اقبالنامہ جلد اول ۔

"اسلامی تصوف کے حقائق و رموز کی بعض جھلکیاں آج بھی نانک ، کبیر ، تلسی داس کی تعلیمات میں پائی جاتی ہیں - بلکہ شری رام چندر جی اور شری کرشن جی کے حقیقی درسیات کا نچوڑ ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کر دے گا کہ وہ اسلامی صوفی ازم ہی کا پیام تھا جو دیا گیا - "جوگ بشسٹ" اور "بابا نانک کا مذہب" اور "ملل ہنود کا فلسفہ" کا مطالعہ اس حقیقت کو ظاہر کر سکتا ہے - آج اگر اسلام کے صوفیہ نانک و کبیر اور دیگر فطرت شناس رہنماؤں کی صحیح تعلیمات سے محبت رکھیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ "ویدانت" کے اثرات چھا گئے ہیں - اسلام تو ایک عالمگیر اخوت کا داعی ہے . . . " ۱

کیا یہ درست ہے ؟

۱۵۰۳۱

ہم اس کے لئے "بھگوت گیتا" کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں -

"اس دنیا میں گیان کی مانند پاکیزہ در حقیقت اور کچھ بھی نہیں ہے - وقت آنے پر اس گیان کو وہ شخص آپ ہی اپنے میں حاصل کر لیتا ہے - جس کو یوگ یعنی کرم یوگ میں کامیابی ہو گئی ہو - " ۲

جس شخص کو جب بھی گیان حاصل ہوگا وہ اس کے کمال کا یونہی معترف ہوگا -

"جو پسندیدہ یعنی مطلوبہ چیز کو پا کر خوش نہ ہو جائے اور نا پسندیدہ کے پانے سے ناراض نہ ہو ، (اس طرح) جس

---

۱ - عرفان اقبال اور افادات نیازی صفحہ ۳۵ -

۲ - بھگوت گیتا چوتھا ادھیائے ۳۸ صفحہ ۳۶ -

کی بدھی قائم ہے اور جو موہ میں نہیں پھنستا ، اسی برھم کے جاننے والے کو 'برھمستھ' سمجھو ۔ '' ۱

''اسی طرح بیرونی سکھ دکھ کی کچھ پرواہ نہ کر کے جو اپنے دل ھی میں سکھی ھو ۔ اپنے آپ ھی میں آرام پانے لگے اور ایسے ھی جسے یہ اندرونی روشنی مل جائے ، وہ برھم روپ ھو جاتا ہے اور آسے ھی برھم نروان یعنی برھم میں مل جانے کی سوکش حاصل ھو جاتی ہے ۔ '' ۲

مراقبے کا طریقہ دیکھئے :

''بیرونی اشیاء کے تعلقات سے الگ ھو کر دونوں بھوؤں کے درمیان اپنی نظر جما کر اور ناک سے چلنے والے پرن اور اپان کو یکساں کر کے ، جس نے اندری ، من اور بدھی کو قابو میں کر لیا ہے اور جس کے خوف ، خواھش اور غصہ سب چھوٹ گئے ھیں ۔ وہ ھمیشہ مکت ھی ہے ۔ '' ۳

''یوگ ابھیاسی شخص صاف مقام پر اپنا آسن قائم کرے ، جو نہ تو بہت اونچا ھی ھو اور نہ بہت نیچا ھی ۔ اس پر پہلے گھاس ، پھر مرگ چھالا اور پھر کپڑا بچھائے ۔

وھیں چت اور اندریوں کے کاموں کو روک کر ، نیز من کو یکسو کر کے یوگ کا ابھیاس کرے ۔

---

۱ - بھگوت گیتا چوتھا ادھیائے ۲۰ صفحہ ۴۱ ۔

۲ - بھگوت گیتا پانچواں ادھیائے ۲۴ صفحہ ۴۲ ۔

۳ - بھگوت گیتا ۔ پانچواں ادھیائے صفحہ ۴۲ - ۴۳ ۔

جسم یعنی کمر ، ماتھے اور گردن کو یکساں کرکے ، یعنی ایک کھڑے خط میں قائم کر کے ، بے حرکت ہوتا ہوا ، سمتوں کو یعنی ادھر اُدھر نہ دیکھے اور اپنی ناک کی نوک پر نظر جما کر . . . . . .

ہے ارجن ! زیادہ کھانے والے ، یا بالکل نہ کھانے والے اور خوب سونے والے یا جاگتے ہی رہنے والے کو یہ یوگ سدھ نہیں ہوتا ۔

جس کا کھانا پینا ، چلنا پھرنا باقاعدہ ہے اور کرموں کا عمل نپا تلا ہے اور سونا جاگنا بھی محدود ہے ، اس کو یہ یوگ دکھ دور کرنے والا یعنی سکھ دینے والا ہوتا ہے . . . . . .

ایسی جگہ پر جہاں ہوا نہ ہو ، رکھے ہوئے چراغ کی لو جیسے غیر متحرک ہوتی ہے ۔ اس کی مشابہت من کو قابو میں کرکے یوگ ابھیاس کرنے والے یوگی سے دی جاتی ہے . . . .

اس طریقے سے چت کو یکسو کرتے ہوئے چنچل اور بے قرار من جہاں جہاں باہر جائے وہاں وہاں سے روک کر اس کو آتما کے ہی قابو میں لائے ۔ ،،۱

کرشن جی نے ارجن کے سامنے یہ طریقہ بیان کیا تو اس نے کہا :

” اے کرشن ! یہ من چنچل ، ضدی ، طاقتور اور مضبوط ہے ۔

---

۱ - چھٹا ادھیائے . ۱۰ تا ۲۶ صفحہ ۴۵ تا ۵۰ ۔

ہوا کی مانند یعنی ہوا کی گٹھڑی باندھنے کی مانند اس کا بھی قابو میں کرنا مجھے نہایت مشکل معلوم ہوتا ہے ''۔۱

تو اس پر انہوں نے جواب دیا :

''اے مہاباہو ارجن ! اس میں شک نہیں کہ من چنچل ہے اور اس کا قابو میں کرنا مشکل ہے ، لیکن اے کنتی کے بیٹے مشق اور ویراگ سے یہ قابو میں کیا جا سکتا ہے ''۔۲

صوفیہ کے ارشادات ان ملفوظات کی صداقت پر گواہی دیتے ہیں - مراقبے کے طریقے اس طریقے سے بہت کچھ مشابہت رکھتے ہیں -

'ہمعات' میں شاہ ولی اللہ رح نے اس ضمن میں جو کچھ کہا ہے ، وہ کرشن جی کے ان ارشادات سے مکمل ہم نوا ہے - لیکن ان کے ارشادات کا سرقہ نہیں ہے ، بلکہ سلوک کے دوران میں شاہ صاحب پر خود بخود واضع ہوا ہے -

'' انسان اپنی ترقی آپ ہی کرے ، اپنے آپ کو گرنے نہ دے ، کیونکہ انسان خود ہی اپنا دوست یا خود ہی اپنا دشمن ہے -

جس نے اپنے آپ کو جیت لیا ، وہی خود اپنا دوست ہے - لیکن جو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا وہ خود اپنے ساتھ دشمن کا سا سلوک کرتا ہے ...... '' ۳ -

---

۱ - چھٹا ادھیائے ۳۴ - صفحہ ۳۹ -
۲ - ایضاً ۳۵ - صفحہ ۳۹ -
۳ - ایضاً ۵ - ٦ صفحہ ۳۵ -

یہ تعلیم ''من عرف نفسہ فقد عرف ربہ'' میں زیادہ واضح ہے -

'' سب اندریوں کے دروازے بند کرکے اور من کو پردے میں روک کر ، نیز ماتھے میں پران لے جا کر سمادھی یوگ میں قائم ہونے والا . . . ''۱ -

'' اے پارتھ ! دوسرے کا خیال دل میں نہ لا کر جو ہمیشہ ہر وقت میری ہی یاد کرتا رہتا ہے ، اس ہمیشہ یوگ میں لگے ہوئے یوگی کو میری پراپتی نہایت آسان طریقے سے ہوتی ہے . . . '' ۲ -

اسے ہمارے بزرگوں نے :

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی سر حق بر من بخند

کے پیرائے میں خوبی سے واضح کیا ہے :

'' جس سے نہ تو اور لوگوں کا کلیش ہوتا ہے اور جو نہ اور لوگوں سے دکھ پاتا ہے ، ایسے ہی جو خوشی ، غصے ، خوف اور رنج سے اثر پذیر نہیں ہوتا ، وہی مجھے پیارا ہے -''

'' لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون '' میں اسی پیارے کی طرف اشارہ ہے -

'' پھر اس جگہ کو ڈھونڈ نکالنا چاہئے ، جہاں پہنچ کر پھر

---

۱ - بھگوت گیتا آٹھواں ادھیائے ۱۲ -

۲ - بھگوت گیتا آٹھواں ادھیائے ۱۴ - صفحہ ۵۹ -

لوٹنا نہیں پڑتا اور یہ عہد کرنا چاہئے کہ اس سلسلۂ عالم کا یہ قدیم رجحان جہاں سے شروع ہوا ہے، اسی ابتدائی ہستی کی طرف میں جاتا ہوں . . . ۱'' ۔

''انا للہ و انا الیہ راجعون'' میں اسی تعلیم کو اعلیٰ پیمانے پر واضع کیا گیا ہے ۔

شری کرشن جی کی اس کتاب سے جو ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور مرور زمانہ کے ساتھ تحریف کا شکار ہو چکی ہے، حقیقت و عرفان کی کئی باتیں ملتی ہیں ۔ اگر ان سے مشابہ کلمات ہمارے صوفیۂ کرام کی تعلیمات میں میسر آئیں تو اس سے یہ فیصلہ کر لینا کہ ان بزرگوں نے گیتا سے سرقہ کیا ہے، اپنی کم ظرفی اور روحانی ریاضت کے ثمرات سے نا واقفی کا اعلان کرنا ہے ۔

تصوف خالصاً اسلامی تعلیمات کی عملی صورت کا نام ہے اور جب کبھی اس میں غیر ضروری عناصر کو شامل کر کے افراط و تفریط اختیار کی گئی ہے، اپنے اپنے وقت پر ہر سلسلے کے پیر طریقت نے اپنے اجتہاد اور مکاشفات کی بنا پر اس کی اصلاح کی ہے اور دین و دنیا دونوں کو پیش نظر رکھا ہے، ان کے ہاں نہ فرقہ بندی ہے، نہ کینہ پروری ۔

ذیل کی رائے کتنی صائب اور راسخ ہے :

''اگر سچی درویشی اور اصلی فقیری کی طلب ہے، جس کی جڑ مضبوط اور جس کی شاخیں بلند ہوں، تو لازم ہے کہ

---

۱ - بھگوت گیتا - پندرھواں ادھیائے صفحہ ۱۰۰ ۔

محمد رسول اللہ صلعم کی فقیری اور درویشی کو اختیار کرو اور انہیں کی پیروی کرو ۔ کہ صاف اور پاکیزہ پانی وھیں ملتا ھے ، جہاں سے چشمہ پھوٹتا ھے اور بعد کے آنے والوں کی درویشی کو اختیار نہ کرو ۔ کہ پانی سر چشمہ سے دور جا کر گدلا ھو جاتا ھے اور اس کا رنگ اصلی نہیں رھتا"۔ ۔ ۔ "[۱] ۔

حضرت مجدد الف ثانی رح نے فقر کے اسی نکتے کو واضح کیا ھے اور اقبال رح کے نزدیک یہی مسلک 'صراط مستقیم' ھے ۔

---

۱ - فقر محمدی از شیخ احمد بن ابراھیم الواسطی رح بحوالہ تصوف اسلام صفحہ ۱۶۳ ۔

”به مصطفیٰ برسان خویش را که دین همه اوست،،

. . . اقبال رحـ منازل سلوک میں جذب کی راہ سے مقام فنافی الرسول پر فائز ہے اور اس سلسلے میں اس سے بالا تر کوئی اور مقام نہیں ہے - یہیں سے عبدیت کا احساس ہوتا ہے اور عمل کی شدت ظاہر ہوتی ہے . . . . .

دوسرا باب

بیا بمجلس اقبال یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نترا شد قلندری داند

صوفیہ سے حسن عقیدت | ”۔۔ (نقادان تصوف اور عاشقان کلام اقبال اگر تحقیق سے کام لیں گے تو یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ نہ صوفیۂ کرام خودی کے مخالف تھے، نہ اقبال تصوف کے، بلکہ وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہونگے کہ اقبال کا نظریۂ خودی تصوف اسلام کے نظام تربیت کا ایک جزو ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں بلکہ لازم و ملزوم ہیں اور ممد و معاون ہیں۔۔۔

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فسان لا الہ الا اللہ“ ۱

(جناب بشیر مخفی صاحب کو اس بات کا مکمل یقین ہے کہ علامہ مرحوم اپنے وقت کے صوفیۂ کرام سے مستفیض ہوتے رہے ہیں۔ صفحہ ۱۸۳ پر وہ لکھتے ہیں:

”جن دنوں علامہ اقبال انجمن حمایت اسلام لاہور کے اجلاسوں میں اپنی نظمیں پڑھا کرتے تھے، میرے نانا بزرگوار رح کے پیر و مرشد فاضل پنجاب حضرت مولانا سید ظہور الحسن شاہ صاحب قبلہ قادری جیلانی، فاضلی، بٹالوی علیہ الرحمۃ بھی شرکت فرمایا کرتے تھے۔ مفتی عبداللہ ٹونکی، سابق پروفیسر اورینٹل کالج لاہور، شمس العلما

---

۱ - افادات نیازی صفحہ ۲۹۵ -

مولانا نذیر احمد دہلوی ، شہزادہ مرزا ارشد گورگانی دہلوی مرحوم ،
حضرت علامہ مولانا الحاج قاری شاہ سلیمان صاحب پھلواروی رح وغیرہ
بھی شرکائے اجلاس میں سے تھے ۔ حضرت علامہ سید ظہورالحسن
شاہ صاحب قبلہ بٹالوی ان دنوں سلسلۂ قادریہ میں پنجاب کے مشہور
خطیب ، پیر طریقت اور بزرگ تھے اور آپ کے صاحبزادے موجودہ
سجادہ نشین صاحب بھی کچھ دنوں بیرسٹری کرچکے ہیں ۔ حضرت پیر
صاحب بھی اعلیٰ حضرت مولانا الحاج سید غوث علی شاہ صاحب قلندر
پانی پتی کے مریدوں میں سے تھے اور سلسلۂ نقشبندیہ میں آپ سے شرف
بیعت حاصل تھا ۔ میرے نانا بزرگوار رح کو آپ ہی نے پانی پت کے
سر چشمۂ قلندریت سے استفادہ کی ہدایت فرمائی تھی ۔ شاید آپ کے
مشورہ سے علامہ اقبال بھی حضرت علامہ حسن رح پانی پتی تک
پہنچے ہوں ۔ ۔ ۔ ،،۱۔

،، ۔ ۔ ۔ یہ چشم دید واقعہ میرے قبلہ گاہی نانا بزرگوار رح
عارف سندھ ، حضرت مولانا صوفی سائیں غنی صاحب رح کراچوی
جانشین و خلیفۂ مجاز حضرت غلام حسن رح پانی پتی کا ہے کہ اقبال نے
ابتدائی زمانے میں اپنی ایک تصنیف بغرض اصلاح علامہ علیہ الرحمۃ
حسن رح کی خدمت میں بھیج کر دعا و استفادہ کی درخواست کی
تھی،، ۔ ۔ ۔ ۲۔

،، میں نے اپنے پہلے ایک عریضہ میں علامہ سید سلیمان ندوی
صاحب سے گزارش کی تھی کہ قادریہ خاندان میں کس بزرگ سے
اقبال شرف نسبت رکھتے تھے اور آپ نے کن بزرگوں کے اسماء
بتائے تھے ؟

---

۱ - افادیت نیازی صفحہ ۱۸۳ ، ۱۸۴ -

۲ - افادیت نیازی صفحہ ۱۷۸ -

حضرت علامہ نے جواباً تحریر فرمایا تھا کہ

'مجھے یہ علم نہیں کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم قادریہ سلسلہ کے کس بزرگ سے مرید تھے ممکن ہے کہ آپ کے نانا صاحب مرحوم کا بیان صحیح ہو'۔۔۔ ۱''۔

علامہ سلیمان ندوی رح نے انہیں ایک مکتوب میں یہ لکھا تھا۔ کہ

''جن لوگوں میں امام ابو حنیفہ رح امام شافعی رح اور امام بخاری رح کی قدر نہیں جیسے ۔۔۔ وغیرہ بھلا وہ اقبال کو کب خاطر میں لانے والے ہیں۔ اگر اُن کے اھوا و آراء سے ڈاکٹر مرحوم کے خیالات سے بظاہر مطابقت کہیں کہیں نہیں ہوتی۔

اقبال رح اگر اکابر تصوف کو نہ مانتے، تو مولانا روم رح کے گرویدہ کیوں ہوتے؟ وہ قادریہ خاندان میں مرید تھے اور خود مجھ سے اس باب میں مشورہ چاہتے تھے کہ وہ کس کس کی صحبت سے مستفید ہوں۔ چنانچہ میں نے ایک دو نام بتائے تھے ۔۔ ۲''۔

لیکن اس بات کا نہایت افسوس ہے۔ کہ باوجود تحقیق و تجسس کے اقبال رح کے اس رھبر گرامی کا نام نامی نہیں معلوم ہوسکا جن سے انھوں نے فیض صحبت حاصل کیا۔ مولانا سلیمان ندوی رح صاحب بھی اس پر حتمی فیصلہ صادر نہیں کر سکے اور جیسا کہ صفحہ ما سبق میں کہا گیا ہے انھوں نے بشیر مخفی صاحب کے خیال ہی کو قابل تسلیم قرار دیا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے۔ کہ علامہ نے اپنے دل کی تشفی کرنے کے لئے ہر صاحب کرم سے استفادہ کرنے میں تامل نہیں کیا

۱ - افاذات نیازی صفحہ ۱۷۳ -

۲ - افاذات نیازی صفحہ ۶۸ -

ھے ۔ انھوں نے ۱۹۳۳ء میں جو مکتوب سید مہر علی شاہ صاحب رح چشتی گولڑوی کی خدمت میں ارسال کیا ھے ، اس سے اُن کی عظمت فکر و نظر کے علاوہ اقبال کا وہ طبعی رحجان بھی واضح ھوتا ھے ، جس کے ذریعے انھوں نے اپنے فکر کی عمارت کی تعمیر میں مدد لی ھے ۔ اور صوفیۂ کرام کے مشاہدات کو دور جدید کی عقلیات پر فوقیت دی ھے ۔

" اگرچہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے تھا ۔ تاہم اس سے پہلے شرف نیاز حاصل نہیں ھوا ۔ اب اس محرومی کی تلافی اس طریقے سے کرتا ھوں ۔ گو مجھے اندیشہ ھے ۔ کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ھوگی ۔ بہر حال جناب کی وسعت اخلاق پر بھروسہ کرتے ھوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرات کرتا ھوں ۔ کہ اس وقت ہندوستان بھر میں اور کوئی دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے ۔

میں نے گذشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی رح پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے ادا شناس لوگوں میں بہت مقبول ھوئی ۔ اب پھر اُدھر جانے کا قصد ھے ۔ اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی رح پر کچھ کہنے کا ارادہ ھے ۔ بایں حال چند امور دریافت طلب ھیں ۔ جناب کے اخلاق کریم سے بعید نہ ھوگا اگر ان سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے . . . "۱ ۔

اس عریضے میں اقبال نے حقیقت زمان کے متعلق شیخ اکبر رح کے نظریات معلوم کرنے چاھے تھے اور اس کے علاوہ اس مسئلے

---

۱ - اقبال نامہ جلد اول ۴۴۲ تا ۴۴۴ ۔ ء

کے متعلق دوسرے بزرگوں کے ارشادات کے نشان بھی طلب کرنے کی خواهش کا اظہار کیا تھا ۔

سید مہر علی شاہ صاحب رح نے اس عریضے کا کیا جواب مرحمت فرمایا ۔ یہ معلوم نہیں ھے ۔ انھیں شیخ اکبر رح کے نظریۂ وحدت وجود پر جو عبور حاصل تھا ، اس کی اس صدی میں نظیر نہیں ملتی ۔

خواجہ شمس الدین رح سیالوی کے عزیز خلیفہ جناب پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری رح نے ۶ جمادی الثانی ۱۳۶۶ھ کو وصال فرمایا تو علامہ اقبال نے ان کی تاریخ وفات کہی ۔ مرحوم سید مہر علی شاہ رح کے پیر بھائی تھے ۔

هر که بر خاک مزار پیر حیدر شاہ رفت
تربت او را امین جلوه هائے طور گفت
هاتف از گردوں رسید و خاک او را بوسه داد
گفتمش سال وفات او بگو ، مغفور گفت

۱۳۲۶ھ

اس سے اقبال رح کا حسن عقیدت اپنے وقت کے شیوخ و صوفیہ کے ساتھ واضح ھوتا ھے ۔ اقبال ظاهری طور پر جبہ و دستار سے مزین نہیں تھے ۔ لیکن ان کی قلبی واردات جس طرح منصئہ شهود پر جلوہ گر ھوتی ھیں ، ان کی رو سے انھیں صوفی قرار دیا جاسکتا ھے ۔ اور اس امر کا انھوں نے خود یوں اظہار کیا ھے :

بیا به مجلس اقبال یک دو ساغر کش
اگرچه سر نتراشد قلندری داند

ان کے نزدیک فقر، تصوف، اور روحانیت سر بزیری اور کم بختی یا زبوں حالی کا نام نہیں ہے۔

ذیل میں کلام اقبال سے چند اشعار اس مقصد کے لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ اقبال کا نظریۂ فقر واضح ہوجائے:

چیست فقر اے بندگان آب و گل
یک نگاہ راہ بین، یک زندہ دل

فقر خیبر گیر با نان شعیر
بستۂ فتراک او سلطان و میر

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست
ما امینیم، ایں متاع مصطفیٰؐ است

فقر، اقبال کے نزدیک نبی کریمؐ کا متاع ہے اور اس متاع کو اقبال نے اس لئے پسند کیا ہے کہ ان کے اور ہمارے آقائے نامدارؐ کی زندگی فقر کی زندہ و پائندہ تفسیر و تصویر ہے۔

فقر بر کرو بیاں شب خون زند
بر نوامیس جہاں شب خون زند

بر مقام دیگر اندازد ترا
از زجاج الماس مے سازد ترا

یہ فقر افلاس نہیں ہے، دولت جاودانی ہے۔ میر درد نے اسی تاثر کو یوں ظاہر کیا ہے:

زنہار ادھر کھولیو مت چشم حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے (درد)

اس کا تانا بانا قرآن کریم سے مرتب ہوتا ہے - یہ شرع محمدیؐ کا باطن اور زندگی کا ضمیر ہے - ۱

برگ و ساز او ز قرآن عظیم
مرد درویشے نہ گنجد در گلیم
گرچہ اندر بزم کم گوید سخن
یک دم او گرمیٔ صد انجمن

یہ فقر کم ہمتی کا مداوا اور ذوق طلب کا خالق ہے :

بے پراں را ذوق پروازے دھد
پشہ را تمکین شہبازے دھد

با سلاطین برفتد مرد فقیر
از شکوہ بوریا لرزد سریر

قلب او را قوت از جذب و سلوک
پیش سلطان نعرہ او "لا ملوک"

حکمت دیں دل نوازی ھائے فقر
قوت دیں بے نیازی ھائے فقر

اپنی تاریخ اور ماضی سے بے خبر نوجوانوں کے لئے فقر کی یہ سرفرازی ممکن ہے محض خیالی ہو - لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ حریت کا باب ھی ان حضرات کی قلندرانہ روش اور جرات ایمانی سے تشکیل پاتا ہے -

---

۱ - تفصیل ملاحظہ ہو - کتاب ھذا کا پہلا باب -

'' شاید حقائق سے اس قدر بے اعتنائی کا ثبوت کبھی نہیں دیا گیا ، جتنا یہ کہہ کر کہ صوفیہ نے ملت کے قوائے عمل کو مضمحل کردیا ۔ یہ الزام غلط اور بے بنیاد ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے ملت کے عروق مردہ میں ہمیشہ نئی روح پھونکی ہے اور زوال و انحطاط کے زمانے میں تجدید و احیاء کے راستے تلاش کئے ہیں ۔ اور یہی ان کے کارناموں کا ایک ایسا گوشہ ہے جس کا اب تک تعصب اور تنگ نظری سے الگ ہوکر جائزہ نہیں لیا گیا ۔ تاریخ کے طلبہ نے شاہی خاندانوں کے عروج و زوال کی داستانوں میں اپنے آپ کو کچھ اس طرح گم کردیا ہے کہ ان کے نزدیک تاریخ صرف دربار اور میدان جنگ ہی سے عبادت ہوکر رہ گئی ہے ۔

یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی ان کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا بلکہ بقول پروفیسر ہٹی (Hitti) اکثر ایسا ہوا کہ ' سیاسی اسلام ' کے تاریک ترین لمحات میں ' مذہبی اسلام ' نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں ۱ ہالینڈ کے ایک فاضل لوکے گارد ، نے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہؤا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ۔

کیا ان اسباب کا تجزیہ ممکن نہیں ، جنھوں نے مسلمانوں کی دینی زندگی کو سیاسی زوال کے خطرناک اثرات سے بچایا ۔ اور زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے

---

۱ - " History of the Arabs ", Page 475.

فکر و عمل میں تبدیلیاں پیدا کیں - انگلستان کے ایک مشہور اور ذی علم مستشرق پروفیسر ایچ - اے گب نے ایک مرتبہ آکسفورڈ یونیورسٹی مجلس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا :

' تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے - لیکن با ایں همه وہ مغلوب نہ ہو سکا - اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیہ کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آ جاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور اتنی توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی ' . . . ''۱ -

دور اول کے صوفیۂ کرام نے افراتفری اور بد امنی کے زمانے میں حکومت سے قطع نظر کر لیا تھا اور وہ خلفاء کی صحبت کو بری نظر سے دیکھتے تھے - ''خواجہ فرید الدین عطار رح نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید اپنے وزیر فضل کے ہمراہ خواجہ فضیل بن عیاض رح کے در دولت پر حاضر ہوا - دروازہ کھٹکھٹایا - پوچھا کون ہے ؟ - وزیر نے جواب دیا - امیر المومنین ، خواجہ فضیل نے فرمایا - امیر المومنین کو مجھ سے کیا کام اور مجھے ان سے کیا واسطہ - وزیر نے کہا ، بادشاہ کی اطاعت واجب ہے - فرمایا ، مجھے حیران نہ کرو - وزیر نے کہا اندر آنے کی اجازت دو ، ورنہ ہم حکماً اندر آ جائیں گے - فرمایا - اجازت تو نہیں دیتا ، حکماً اندر آ سکتے ہو - چنانچہ وزیر اور خلیفہ اندر آ گئے - خواجہ فضیل نے چراغ گل کر دیا تا کہ ہارون

---

۱ - تاریخ مشائخ چشت رح صفحہ ۸ تا ۱۰ -
" Islamic Culture 1942 ", Page 265.

رشید کو دیکھ نہ سکیں - اسی اثنا میں ہارون کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے چھو گیا - فرمایا ''کیسا نرم ہاتھ ہے - کاش کہ دوزخ کی آگ سے بچ سکے . . .'' ۱-

جو اللہ کے ہو جائیں انہیں مجازی حکمرانوں کا کیا ڈر ہو سکتا ہے - یہی لوگ شریک زمرۂ لایحزنون ، ہوتے ہیں -

''امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رح نے طرح طرح کے مصائب برداشت کئے لیکن حکومت وقت کی ملازمت کرنا پسند نہ کیا - یزید گورنر کوفہ نے امام صاحب رح کو میر منشی اور امیر خزانہ مقرر کرنا چاہا - انہوں نے صاف انکار کر دیا - یزید نے قسم کھا کر کہا جبراً منظور کرنا ہوگا - دوستوں نے بھی سمجھایا لیکن امام صاحب رح انکار پر قائم رہے اور کہا کہ اگر یزید کہے کہ مسجد کے دروازے گن دو تو بھی مجھ کو گوارا نہیں - چہ جائیکہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اس پر مہر کروں - یزید نے غصے میں آ کر حکم دیا - کہ ہر روز آن کے دس درے لگائے جائیں - اس ظالمانہ حکم کی بھی تعمیل ہوئی - لیکن امام صاحب رح اپنی ضد سے باز نہ آئے پھر خلیفہ منصور نے قضا کا عہدہ پیش کیا - امام صاحب نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا - منصور نے غصے میں آ کر کہا ''تم جھوٹے ہو'' امام صاحب نے کہا - اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ ضرور سچا ہے کہ میں قضا کے قابل نہیں ، کیونکہ جھوٹا شخص

---

۲ - تاریخ مشائخ چشت رح صفحہ ۷۵ حوالہ تذکرۃ الاولیا صفحہ ۸۳-۸۴ ترجمہ

قاضی مقرر نہیں ہو سکتا ۔ منصور نے قسم کھا کر کہا کہ تم کو قبول کرنا ہوگا ۔ امام صاحب رح نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہ کرونگا ۔ امام صاحب قید خانے میں بھیج دئے گئے اور وہاں سے اس وقت چھوٹے کہ قیدِ حیات سے چھوٹے "۱ ۔

اسی طرح مامون کے عہد میں خلق قرآن کے مسئلے پر امام احمد بن حنبل رح نے جس استقامت کا ثبوت دیا ، اس کی مثال ملنی محال ہے ۔ امام غزالی رح نے احیاء العلوم میں اس مسئلے پر تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ 'انسان کو سلاطین کے دربار میں ہر قدم پر گناہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے ۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ شاہی مکانات بالکل مغصوب ہوتے ہیں اور زمین مغصوبہ میں قدم رکھنا گناہ ہے ۔ دربار میں پہنچ کر سر جھکانا اور ہاتھ کو بوسہ دینا ہوتا ہے اور ظالم کی تعظیم کرنا گناہ ہے ، . . . "۲ ۔

صوفیہ عظام کی اس سنت کو جہانگیر کے عہد میں حضرت مجدد الف ثانی رح نے جس قوت ایمانی اور جرات کے ساتھ زندہ کیا ، اقبال رح اس سے بہت متاثر ہوئے ہیں اور اسے انھوں نے مردان حر کے لئے زندگی کا درس قرار دیا ہے ۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمئی احرار

---

۱ - تاریخ مشائخ چشت رح صفحہ ۷۶ - ۷۷ ۔

۲ - تاریخ مشائخ چشت رح صفحہ ۱۰۷ ۔

اطاعت اور ضبط نفس، اقبال کی خودی کے پہلے دو مراحل ہیں۔ ان مراحل کو جس خوبی اور جد و جہد کے ساتھ صوفیۂ کرام نے طے کیا ہے، اس کی شہادت صوفیۂ کرام کی ہر تاریخ اور ہر تذکرے سے مل سکتی ہے۔ شیخ کے حکم کی تعمیل، نفس کی تربیت اور احکام الٰہی پر استقامت کے ساتھ پابند رہ کر جو کردار کا اعلیٰ نمونہ ان حضرات نے پیش کیا ہے، وہ امت کے دوسرے برگزیدہ افراد کے ہاں کم نظر آتا ہے۔

"جب تاریخ کا کوئی طالب علم، اسلام کا بہ حیثیت ایک مذہبی تحریک کے مطالعہ کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے بعد ان ہی بزرگوں کی حیات طیبہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح یہ بزرگ اسلام کی دینی تاریخ کا ایک جزولاینفک بن گئے ہیں۔ ان کی زندگیوں کو غیر اسلامی قرار دے کر اگر نظر انداز کر دیا جائے تو نہ صرف اسلام کی مذہبی تاریخ میں ایک خلا پیدا ہو جائے بلکہ اسلام کے دینی نشو و نما کا صحیح مطالعہ ہی نا ممکن ہو جائے۔ تکمیل اخلاق، جو بعثت نبوی ص کا اہم مقصد تھا ہمیشہ ان بزرگوں کا مطمح نظر رہا"[1]۔

اقبال کے فلسفۂ خودی کے لئے ان بزرگوں کی حیات طیبہ ہی کو عملی نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اور اسی امر کو واضح کرنے کے لئے علامہ نے نکلسن کو اپنے مشہور مکتوب میں یہ لکھا تھا کہ یہ فلسفہ تمام تر مسلم صوفیہ کے

۱۔ تاریخ مشائخ چشت رح صفحہ ۷۹۔

مشاهدات و تصورات سے ماخوذ ہے :

نہ کردم از کسے دریوزہ چشم
جہاں را جز بہ چشم خود نہ دیدم

اقبال نے اپنے مرد مومن کے لئے جلال کے ساتھ جمال بھی ضروری قرار دیا ہے :

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن (اقبال)

اس کی عملی تصویر دیکھئے :

"۱۵ محرم ۷۱۰ھ کو ایک شخص نظام الدین اولیارح کی خدمت میں آیا اور ان کو گالیاں دینے لگا - شیخ خاموشی سے سنتے رہے - پھر اس کے سب مطالبات پورے کر دئے - جب وہ چلا گیا - تو حاضرین کو بتایا کہ ایسا ہی ایک شخص ایک مرتبہ بابا فرید رح کی خدمت میں آیا اور اُن سے بے باکی کے ساتھ کہنے لگا - تو بت بن کر بیٹھ گیا ہے، تو بابا فریدرح نے نرمی سے جواب دیا 'من نہ ساختہ ام خدا تعالیٰ ساختہ است، اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پیر کا کردار کس طرح خاموشی کے ساتھ خلفاء و مریدان کے افکار و اعمال کو متاثر کرتا تھا ! — بے بس اور کمزور لوگوں کی گالیاں سن لینے والے اس شخص نے سلطان مبارک خلجی اور سلطان غیاث الدین تغلق کی جابرانہ قوت و سطوت کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا - اس کے مریدوں نے اس سے استقامت کا سبق لیا - ایک قلندر نے چراغ دہلوی رح کے جسم کو چھریوں سے لہو لہان

کر دیا تو انہوں نے زبان سے آف تک نہ کہا۔ لیکن جب محمد بن تغلق نے غصہ سے بات کی تو جان کا خیال کئے بغیر پکار اٹھے۔ اس جانوروں کے غصہ سے باز آؤ،....“۱۔

۱۔ تاریخ مشائخ چشت رح صفحہ ۲۸۳ - ۲۸۴ نیز تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ فیروز شاہی، سیرالعارفین، تاریخ مبارک شاہی - سیر الاولیا وغیرہ -

تفصیل و توضیح

تیسرا باب

اللہ مفتح الا بواب

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

فکر اقبال پر ایک نظر | دانائے راز اقبال رحہ کی یہ دعا مستجاب ہوئی - ان کے فلسفیانہ افکار سے کہیں زیادہ ان کے صوفیانہ رجحانات ان کی عظمت کا باعث بنے - امام غزالی رحہ نے عقلیات سے بیزاری محسوس کی اور حقیقت کو پہچاننے کے لئے کشف کو قابل قبول گردانا - آپ ایک سو پچاس کتابوں کے مصنف تھے - ہنری لوئس نے تاریخ فلسفہ میں لکھا ہے "اگر ڈیکارٹ کے زمانے میں احیاء العلوم کا ترجمہ فرنچ زبان میں ہوچکا ہوتا تو ہر ایک شخص یہی کہتا کہ ڈیکارٹ نے احیاءالعلوم کو چرا لیا ہے"[1] - عقل کی انتہا بے تابی ہے - اور اس بے تابی کا علاج علامہ رحہ نے غزالی رحہ کی طرح عشق سے کیا ہے، جو جملہ علتوں کا علاج ہے اور دل کے مریضوں کے لئے جالینوس ہے - علامہ کی اس راہ میں رہنمائی جیسا کہ انھوں نے بار بار اعتراف کیا ہے، مولانا رومی رحہ نے کی ہے - جب عقل و عشق کی کشمکش میں عشق کی جیت ہوجائے، تو انسان لامحالہ صوفی ہو جاتا ہے - " عقل و عشق کے اس تصور کو جو پہلے صوفیۂ کرام کے ہاں موجود اور زیر بحث تھا، اقبال رحہ نے نئے زاویۂ نظر سے پرکھا ہے اور اسے وسیع معاملات کے لئے استعمال کیا ہے -

۱ - الغزالی صفحہ ۴۷ دکن ۱۹۰۱ء -

اور اس طرح وہ جس منطقی نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ ان کے پیشرؤں سے مختلف ہے ،،[۱] ۔ یہ درست ہے کہ اقبال رح کے نزدیک عشق کا تصور نہایت وسعت رکھتا ہے ۔ یہ ایک ایسی قوت ہے جو خودی کی شیرازہ بندی کرتی ہے ۔ تسخیر عالم کی جانب نت نئی آرزوئیں پیدا کرکے رہنمائی کرتی ہے اور کٹھن اور پرخطر راھوں میں خضر راہ کا کام سر انجام دیتی ہے ۔ اسی کی بدولت ہر لحظہ نیا طور ، نئی برق تجلی کی تمنا سینوں میں بیدار ھوتی ہے اور مرحلہ ھائے شوق کا تسلسل زیادہ پسند ھوتا ہے اور اس کی اصل ’’کل یوم ھوفی الشان ،، سے متعلق ہے ، جو زندگی کا راز اور روح کائنات ہے ۔ اقبال رح اس چشمۂ حیات تک پہنچے اور عہد حاضر کے ظلمات کو انھوں نے کس طرح طے کیا ۔ یہ مسئلہ بڑا دقیق اور موضوع کے اعتبار سے حل طلب ہے ۔

ہمیں اس کے لئے لامحالہ اقبال کی ذہنی کشمکش کا جائزہ لینا ہوگا اور اس طرح ان کے پیشرو فلاسفہ و حکما اور صوفیۂ کرام کے افکار سے بحث کرنی ہوگی ۔

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں (بال جبریل ۱۷/۳۹)
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

اور انہیں اس کشمکش میں بڑا عرصہ لگا تب جا کر کہیں گوھر مقصود ان کے ھاتھ آیا ۔

---

۱ "A Study in Iqbal's Philosophy
صفحہ ۱۷۰ ، بشیر احمد ڈار ۔

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیل بے رطب

یورپ کے علوم و فنون کے سرچشموں نے اُن کی پیاس نہ بجھائی :

نشستم بانکویان فرنگی ۔ بجان تو کہ درد سر خریدم

ہمیں اس منبع عرفان کا سراغ لگانا ہے ، جس نے ان کے فکر کی کشت کی آبیاری کی اور یوں ان کا نخل مراد ہرا بھرا ہوگیا ۔ انھوں نے خود اس ذہنی کشمکش کو بڑی اہمیت دی ہے ۔ عبداللہ انور بیگ نے شاعر مشرق میں اس کا یوں ذکر کیا ہے ۔

"While writing my life, it would be of little use to mention as to when and where I graduated. The study of great mental conflict that I had to pass through and the consequent growth of thought is more important."

''میری سیرت مرتب کرتے وقت میری تعلیم کے وقت اور کالجوں کا ذکر بے سود ہوگا ۔ اہم بات تو اس دماغی کشمکش اور رازیانہ پیچ و تاب کو واضح کرتا ہے جس سے مجھے سروکار رہا ہے ۔ اور اس کے نتیجہ کے طور پر جس فکر نے میرے ہاں جنم لیا ہے اس کا مشاہدہ کرنا ہے ۔،،

اقبال رح کی یہ رائے بڑی صائب نکلی ۔ مشرق و مغرب کے داناؤں نے ان کے افکار کی اساس جاننے کے لئے ان کے ماخذ کا پتا لگانے کی سر گرم کوششیں کی ہیں ۔ اس سعی میں جو مختلف قسم کے

"The Poet of the East" Page xi. - ۱

مختلف کے مقاصد کار فرما رہے ہیں ۔ ان کا ذکر موقع بہ موقع آتا رہے گا ۔ بہرحال اس طرح اقبالیات میں ایک مستقل لٹریچر پیدا ہوتا گیا ۔ جس میں ہر آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے ۔ اس سلسلے میں متعدد اصحاب کی آراء سنی سنائی اور دوسروں کے نتائج کی آواز بازگشت کی حیثیت رکھتی ہیں اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اقبال کی ذات سے متعلق مشہور اہل قلم نے بڑے حوصلہ افزا خیالات کا اظہار فرمایا ہے اور اس کی تقلید میں کم پایہ کے لوگوں نے بھی بقول قاضی احمد میاں اختر مرحوم ” خط لکھیں گے گرچہ مقصد کچھ نہ ہو کے مصداق اپنی اپنی پسند کا اظہار کیا ہے “ ۔ ۱

معتبر اشخاص میں سے چند ایک کی آراء ملاحظہ ہوں ۔ اس طرح ہمارے لئے زیر نظر مسئلے کو سلجھانے میں کسی حد تک آسانی پیدا ہوسکتی ہے ۔ ڈاکٹر نکلسن نے پیام مشرق پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا :

” درحقیقت یہ سرود نو (اقبال کی فارسی شاعری) اور فیضانی سرود جو اپنی سحر کاریوں سے آتشیں شعلے اور خاکستر دور دور پھیلا رہا ہے ، عنقریب ایک الہامی آواز کی حیثیت پیدا کرنے والا ہے “ . . . ۔ ۲

سر ٹامس آرنلڈ نے ’ دی اسلاملک فیتھ ‘ میں ان خیالات کا اظہار کیا ۔ ” ہندوستان میں حرکت تجدید نے اپنا ممتاز ترین ظہور سر محمد اقبال کی شاعری میں حاصل کیا ہے ۔ انھوں نے برگسان اور نٹشے کے کچھ خیالات کو اپنے ذاتی افکار کی دنیا میں منتقل کیا

---

۱ ۔ اقبالیات کا تنقیدی جائزہ صفحہ ۸ ۔

۲ ۔ سیرت اقبال صفحہ ۱۴۳ ۔

ہے - لیکن وہ دوسرے کی آواز باز گشت نہیں ، وہ شاعری میں نبی کریمؐ سے والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں - جو پیغمبر عمل تھے - نمود خودی اور اس کی ارتقاء سے مثالی ہیئت اجتماعی کے اساسات پیغمبر اسلامؐ کی تعلیم میں ہیں - وہ بے عمل تصوف سے بیزار ہیں اور نوجوان مسلمان اقبالؒ سے نہایت متاثر ہوئے ہیں،، ۔۱

مسٹر ھربرٹ ریڈ نے کہا ،، والٹ ھمیٹن کا نصب العین اس اعتبار سے بہت اھمیت رکھتا ہے - وہ نظری نہیں بلکہ عملی ہے - اور صرف اقبالؒ کے ھاں یہ چیز نظر آتی ہے - ھمارے شعرا کیٹس کے زمانہ کی ڈگر پر رواں ھیں - اور بلبلوں اور پرندوں پر لکھ رہے ھیں اور اقبالؒ کی نظم اسرار نے ھندوستان کے نوجوانوں کو بے حد متاثر کر رکھا ہے - اس نظم میں فلسفۂ جدید کے اکثر پہلو منعکس ھیں - خیالات کی فراوانی اور یک جہتی ہے اور اس کی منطق ساری کائنات کے لئے آواز غیب کا حکم رکھتی ہے ،، ۔۲

پروفیسر نکلسن کا ارشاد ملاحظہ ھو -

"Iqbal has drunk deep of European literature, his philosophy owes much to Nietzsche and Bergson, and his poetry often reminds us of Shelley......" [3]

،،اقبال نے یورپی ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہے - اس کا فلسفہ بڑی حد تک نٹشے اور برگسان کا رھین منت ہے اور اس کی شاعری ھمیں اکثر شیلے کی یاد دلاتی ہے . . . ،، -

---

۱ - سیرت اقبال صفحہ ۱۴۳ -

۲ - ایضاً صفحہ ۱۴۴ -

۳ - The Secrets of the Self page X

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے رسالہ "East & West" میں (اگست ۱۸ء) لکھا۔ ''کیا اقبال نٹشے کے زیر اثر ہے؟ ۔ میرا جواب اثبات میں ہے۔ اگرچہ وہ ہمیشہ مستعار چیز کو جلا دے کر ایک نئی اور عجوبہ چیز بنا دیتا ہے، نٹشے میں اس کے ماخذ حکایت الماس و زغال سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ مگر چونکہ اقبال نٹشے سے بزرگ‌تر شاعر ہے، اس لئے اس نے پتھر کو اس طرح کاٹا اور صیقل کیا ہے کہ الماس اس کا اپنا بن گیا ہے۔ نٹشے کی طرح اقبال بھی حریت فکر و عمل کا حامی ہے۔ اس نے نوجوانوں کو مقابلہ کرنے کی جرات سے سر فراز کیا ہے،، نیرنگ خیال ۱۹۳۲ء - صفحہ ۱۳۶—۱۳۷

علامہ نے عبدالرحمٰن کے اس ریویو کو پسند فرمایا وہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔ ''رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ کے اگست نمبر میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے ایک ریویو دونوں مثنویوں پر لکھا ہے۔ (اسرار و رموز پر)، نہایت قابلیت سے لکھا ہے۔۔۔'' [۱] - اقبال نے جن وجوہات کی بنا پر اس ریویو کو پسند فرمایا ان کا ذکر آیندہ آئے گا۔

پروفیسر نکلسن کے ارشاد نے اقبال کے نٹشے اور برگسان سے متاثر ہونے کے سلسلے میں بہت لوگوں کو متاثر کیا۔ یہ ایک آگ تھی جو بڑی سرعت سے پھیلتی چلی گئی اور اس کی تپش و حرارت آج تک محسوس کی جاسکتی ہے۔ اس طرح اقبال کے اصلی منبع فکر تک رسائی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔

"His qualified admiration for Nietzsche with whose ideas he has certain superficial similarities

---

۱ - اقبالنامہ جلد ۲ صفحہ ۶۹ -

which have misled many students of his thought—is based on the German Philosopher's search for a better type of manhood, the Superman." ۱

"اقبال نے نٹشے کی جو تعریف کی ہے جس کے خیالات سے اس کے افکار میں سرسری مشابہت بھی ہے اور جس نے اکثر اقبال پسندوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرکے بے راہ کر دیا ہے" اس تعریف کی وجہ یہ ہے کہ جرمنی کا یہ فلسفی انسانیت کی ایک بہتر قسم یعنی فوق البشر کا متلاشی ہے"

لیکن ان وقتاً فوقتاً کے صحیح تنقیدی اشاروں کے باوجود قریباً تمام ناقدین کا زور گویا پروفیسر نکلسن کی رائے کو سچا ثابت کرنے پر صرف ہوتا رہا اور یہ نہ دیکھا گیا کہ نٹشے کا مسلک اقبالؒ کے مسلک سے علیحدہ ہے ۔

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے

مجذوب فرنگی کو اقبالؒ کے افکار کے سلسلے میں بڑی اہمیت حاصل ہوتی گئی ۔ خواجہ عبدالحمید صاحب فرماتے ہیں : " ڈاکٹر صاحب پر نٹشے کا بہت اثر تھا ۔ خودی کے اسرار ان پر اس وضاحت اور جدت سے فاش نہ ہوتے اگر نٹشے کی تصانیف سے وہ لاعلم رہتے" ۲ ۔

" ڈاکٹر صاحب کی تصانیف میں شاہین کا فقیر و درویش ہونا نٹشے کے زرتشت کے اس وعظ سے بہت قریب ہے ۔ جس میں وہ اپنے

۱ - Iqbal Educational Philosophy Page 101

۲ - آثار اقبال صفحہ ۷۸ -

کوهستانی نشیمن کو اس لئے پسند کرتا ہے کہ وہاں اسے عقاب اور ستاروں کی همسائیگی نصیب ہے ،، ۔ ۱

،، اقبال اور نٹشے میں قدر مشترک صرف ایک ہے اور وہ قوت اور عمل ہے ۔ اسرار خودی میں بعض مقامات ایسے آگئے ہیں کہ جہاں نٹشے سے تشابہ کا دھوکا ہوتا ہے ۔ مگر صرف قوت کا اشتراک کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک کہ مقاصد اور ذرائع ایک نہ ہوں ،، ۔ ۲

،، اقبالؒ کو غالباً اسمعیل میرٹھی کا یہ مصرعہ بہت پسند تھا ۔ ع 'طائر مردہ مگر طعمۂ شہباز نہیں ، چنانچہ انھوں نے ضرب کلیم میں خود بھی کہا ہے ع 'شکار مردہ سزاوار شاہباز نہیں ، اور اس شاہباز سے ٹانگ باندھ کر وہ نٹشے کی دولت فکر کو بے غل و غش لے اڑے ہیں ۔ مولانا اپنے دل کا مطلب استعاروں میں چھپانے کے تو پہلے سے عادی تھے ۔ لیکن انھوں نے اس سرقۂ عظیم اور فرقہ دارانہ ذهنیت کو عام نظروں سے روپوش رکھنے کے لئے چند فروعی اشعار کہہ کر اور اسلام کی خدا پرستی کے پردے حائل کر کے ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو طلسم فریب سے بھی کم وقعت ہے ۔ اور اہل نظر کو ان کی یہ سعئی ناکام خود ان کی اخلاقی جرأت پر درپردہ مضحکہ خیز نظر آتی ہے ،، ۔ ۳

ہم یہاں مہاشہ جی کے انداز تنقید اور زبان کو نظر انداز کرتے ہیں ۔ ہمارے نزدیک اس ضمن میں تمام معترضین سے زیادہ جسارت آمیز

---

۱ - آثار اقبال صفحہ ۷۹ -

۲ - مقام اقبال صفحہ ۲۸۰ -

۳ - اقبال ۰۰۰ زمانہ جنوری فروری ۳۸ء مضمون جاگیشور ناتھ ورما -

اور توہین آمیز تحریر انھیں سہاشہ جی کی ہے ۔ جو تنقید نہیں ، بلکہ دل کے جلے ہوئے پھپھولے پھوڑے جارہے ہیں ۔

" نٹشے کے فلسفے میں ان کو خودی کے جو شیطانی عناصر نظر آئے ۔ ان کو تو انھوں نے بالکل نظر انداز کردیا ۔ البتہ اصل مسئلے کو لیکر اس شیطانی خودی کو یزدانی خودی بنادیا اور اس میں ان کو قرآن مجید کے بعد مولانا رومرح کی مثنوی سے مدد ملی " ۱

" اس فلسفہ کے اجزا و مقدمات میں جو تصرفات اور اضافے کئے اور اس کو جس شاعرانہ آب و رنگ کے ساتھ پیش کیا ۔ اس نے ان کے فلسفہ کو نٹشے کے فلسفہ اور مولانا رومرح کے صوفیانہ نظریوں سے بالکل مختلف کردیا . . . " ۔۲

" اقبال کا کلام پڑھنے کے بعد سب سے پہلے جو حقیقت سامنے آتی ہے ۔ وہ یہ کہ ایشیا کا یہ شاعر اعظم جرمنی کے فلسفی نیچے سے بہت زیادہ متاثر ہے ۔ نیچے کے تصورات کا عکس اقبال کے اسلوب فکر میں مختلف منزلوں پر ملتا ہے ۔ اقبال نے اس کے قلب کو مومن کہا ۔ یہ واضح ایما ہے ، اس امر کی طرف کہ ہمارے شاعر کو نیچے کے معاشرتی اور تمدنی تصورات سے بہت کچھ اتفاق ہے ۔ اتحاد خیالات کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے ۔ کہ اقبال کو اس جرمن فلسفی ہی کے مذاق کی تشبیہیں زیادہ پسند ہیں " ۔۳

" خودی کے فلسفے کی تاسیس میں صفحہ ۱۲ (اسرار) پر جو اشعار ہیں ۔ وہ نٹشے سے ماخوذ ہیں ۔ جس کا فلسفہ یہ تھا کہ عین ذات یا حقیقت وجود ایک انا سے ساعی ہے ۔ عمل اس کی فطرت ہے ۔

---

۱ - اقبال کامل صفحہ ۳۱۷ -

۲ - ایضاً صفحہ ۳۱۸ -

۳ - رسالہ زمانہ نومبر ۴۳ سید اختر علی تلہری کا مضمون ۔

اخلاق عمل ، پیکار اور نشو ونما کے لئے اس نے اپنا غیر یا ماسوا پیدا کیا ہے ۔ تاکہ امکان پیکار اور اس کے ذریعے سے امکان ارتقا ممکن ہوجائے ۔ اس فلسفے کو جوں کا توں اقبال نے اپنے بلیغ و رنگین انداز میں اس طرح بیان کردیا ہے کہ فلسفے کا خشک صحرا گلزار ہو گیا ہے ۔ مفصلہ ذیل اقتباس سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے ،، ۔ ' پیکر ھستی ز آثار خودی است' سے . . . تا چراغ یک محمد بر فروخت ، تک مندرج کرکے فرماتے ھیں ۔ کہ '' یہ سب نٹشے کا فلسفہ انا اور فلسفۂ حیات ہے ۔ جہاں تک افکار اقبال کی اساس کا تعلق ہے ۔ اقبال بہ نسبت نٹشے کے فشتے سے زیادہ متاثر ہے ۔ فشتے کی کشمکش حیات میں اخلاق اور روحانیات کی بھی چاشنی ہے ۔ جو نٹشے میں اس قدر نمایاں نہیں ۔ فشتے ایک خاص انداز کا موحد ہے اور نٹشے منکر خدا ہے ،،۔

اسی طرح '' حکایت در این معنی کہ مسئلۂ نفی خودی از مخترعات اقوام مغلوبۂ بنی نوع انسان است ،، اور اس سلسلے میں ایک مستقل عنوان سے افلاطون پر جو تنقید کی گئی وہ خلیفہ صاحب کے الفاظ میں نٹشے سے ماخوذ ہے ۔ اس کے بعد '' دربیان اینکہ تربیت خودی را سہ مراحل است ،، سے متعلق جناب خلیفہ صاحب لکھتے ھیں ۔ کہ '' ان مراحل میں مرحلۂ اول میں خودی کو شتر قرار دیا ہے ۔ یہ خیال بعینہ نٹشے سے ماخوذ ہے ۔ باقی دو مراحل اقبال نے اسلامیات سے لئے ھیں ۔ نٹشے کے یہاں بھی مراحل تین ھیں ۔ وہ کہتا ہے کہ روح حیات تین مراحل میں سے گزرتی ہے ۔ الف اونٹ ۔ ب شیر ۔ ج حالت طفلی . . . . اقبال نے نٹشے کے تین مراحل میں سے صرف مرحلہ اشتری کو لے لیا ۔ حقیقت یہ ہے

کہ اقبال کے تین مراحل میں سے دو مراحل ، اطاعت اور ضبط نفس دونوں اس میں پائے جاتے ہیں - نٹشے کے یہاں جو مرحلہ شیری ہے اس کو اقبال نے دوسری ۱ جگہ بیان کیا ہے - لیکن اس سلسلے میں اُسے نظر انداز کر دیا ہے۔،، اس کے بعد ،، حکایت طائرے از تشنگی بے تاب بود ،، میں ریزۂ الماس اور شبنم پر جو اشعار ہیں ، وہ خلیفہ صاحب کے الفاظ میں براہ راست نٹشے کے زیر اثر لکھے گئے ہیں - ،، حکایت الماس و زغال ،، خلیفہ صاحب کے نزدیک اس کا مضمون بھی نٹشے سے ماخوذ ہے - ،، نٹشے کی اخلاقیات کا اصول اولین جو اس کے مذہب کا کلمہ ہے یہ ہے کہ ،، سخت ہو جاؤ ،، - اس اصول کی تشریح میں نٹشے نے بھی اسی قسم کے استعاروں سے کام لیا ہے - ،، . . . ،، اپنی شاعری کے اس دور میں جس میں اسرار خودی تصنیف کی گئی - اقبال نٹشے سے متاثر تھے - علاوہ اس داخلی شہادت کے جو اسرار خودی سے بکثرت اور بوضاحت مل سکتی ہے ، مجھ کو اس بارے میں شخصی طور پر بھی کچھ معلومات حاصل ہیں - یورپ کے قیام کے دوران میں اقبال کو اس مومن قلب اور کافر دماغ مجذوب کا فلسفہ بہت دلکش معلوم ہوا ،، -۲

اقبال اور نٹشے کے تعلق پر لکھنے والوں میں سب سے زیادہ جامع ، مدلل اور معلومات افزا محاکمہ جناب ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب نے اپنے اسی مضمون ،، اقبال رومی اور نٹشے ،، میں کیا ہے اور اپنی تمام بحث کو ان الفاظ پر ختم کرکے گویا ماحصل پیش کیا ہے - ،، جہاں تک افکار کا تعلق ہے - انھوں نے نہ رومی کا کامل

---

۱ - یہ ،، دوسری جگہ ،، باوجود تحقیق کے ہمیں نہیں مل سکی -

۲ - اقبال انجمن ترقی اردو - مضمون 'رومی نٹشے اور اقبال' از خلیفہ عبدالحکیم صاحب -

تتبع کیا ہے : نہ نٹشے کا ، نہ برگسان کا ، اور نہ کارل مارکس کا ، نہ لینن کا - اپنے تصورات کا قالین بنتے ہوئے انھوں نے رنگین دھاگے اور بعض خاکے ان لوگوں سے لئے - لیکن ان کے مکمل قالین کا نقشہ کسی دوسرے کے نقشے کی ہو بہو نقل نہیں ہے - اپنی تعمیر کے لئے انھوں نے ان افکار کو سنگ و خشت کی طرح استعمال کیا ہے ،، ۔۱

اس موضوع پر عبدالواحد صاحب کی رائے ملاحظہ ہو :

" نٹشے اور اقبال میں کچھ مشابہت پائی جاتی ہے - اگرچہ بہت کم ، اقبال نے نٹشے سے تھوڑے ہی عرصہ بعد مرد کامل سے متعلق اپنے خیالات و نظریات پیش کئے - (اسرار میں) اس لئے بعض نے دیدہ و دانستہ اور بعض نے خواہ مخواہ نالائقی کی وجہ سے اقبال کو نٹشے کا خوشہ چین قرار دیا ،، ۲ اس کے بعد عبدالواحد صاحب نٹشے کے فوق البشر کی صفات بیان کرتے ہیں اور مرد مومن کے اخلاق (جلال و جمال) سے ان کا مقابلہ کرکے نٹشے کے تصور زمان اور "Eternal Recurrence" سے بحث کرتے ہیں اور اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے - کہ نٹشے کے ہاں قوت تباہ کن ہے - وہ صاحب جلال ہے - مگر اقبال کے نزدیک مرد مومن ، جلال و جمال دونوں کا مجموعہ ہے - نیز خودی کی سعی پیہم نٹشے کے ہاں مادی دنیا سے اور سیاسیات سے متعلق ہے - مگر اقبال کے ہاں خودی کی پرداخت کے لئے قوائے عمل کی حفاظت روحانی قوائے سے زیادہ متعلق ہے - اس کے بعد نٹشے کے طبقاتی تصور اور اس کے ان خیالات

---

۱ - اقبال - انجمن ترقی اردو صفحہ ۹۹ -

۲ - Iqbal, His Art and thought page 121

کا جائزہ لیا ھے جو صنف نازک سے متعلق ھیں اور ان کا اقبال کے فلسفے سے مقابلہ کیا ھے اور یہ دکھایا ھے کہ نٹشے بہتر یورپ کا حامی ھے اور اقبال بہتر انسانیت کا پرچار کرتا ھے۔

اس تفصیلی محاکمے کے بعد خلیفہ صاحب کے مضمون محولہ بالا میں مندرج خلیفہ صاحب کے خیالات سے بحث کی گئی ھے - جس میں کوئلے اور الماس کی حکایت ، خودی کی پرداخت کے لئے تین مرحلوں اور نٹشے و اقبال دونوں کا افلاطون کی تردید کرنا وغیرہ سے متعلق تفصیلات ھیں - جن کا ماحصل یہ ھے کہ نٹشے افلاطون کا اس لئے مخالف تھا کہ وہ تمام امور میں عقل ھی کو حاکم تصور کرتا ھے - جبکہ نٹشے طاقت ھی کو امتیازی حیثیت دیتا ھے اور اقبال افلاطون کا مخالف اس لئے ھے کہ افلاطون خیالی دنیا (یعنی مسئلہ اعیان) کو عالم محسوس سے زیادہ پسند کرتا ھے اور اس طرح اس کا فلسفہ بے عملی پیدا کرتا ھے - انھیں وجوھات کی بنا پر علامہ ، ابن عربی رحہ " اور حافظ رحہ کا بھی مخالف ھے - نٹشے کے مطابق انسان تین مراحل سے گزر کر کامل ھو سکتا ھے - شتر ، شیر اور بچہ ، اور اقبال کے نزدیک تین مراحل یہ ھیں - الف - پابندئی قوانین ، ب ، ضبط نفس ، ج ، نیابت الہی ، سوائے آخری سٹیج کے دونوں میں کوئی چیز مشترک نہیں ھے - نیز نٹشے سے ۶ سو سال پہلے عبدالکریم الجیلی نے بھی انھیں تین مراحل کا ذکر کیا ھے - جو اقبال کے ھاں بیان ھوئے ھیں اور ھمیں یہ بھی معلوم ھے کہ اقبال نے نٹشے کے افکار کے مطالعے سے ایک عرصہ پہلے الجیلی کے انسان کامل کا مطالعہ کیا تھا - نیز اقبال مرحلۂ اول میں اونٹ کے کئی اچھے اوصاف ، صبر - برداشت ، وفا کا بیان کرتا ھے - مگر یہ یاد رھے کہ اونٹ ھمارے

ادب میں انھیں حیثیتوں سے متعارف ہے - نیز قرآن مجید میں بھی اونٹ کے اوصاف مذکور ھیں - رہا کوئلہ اور الماس والا قصہ، ھوسکتا ہے کہ یہ حکایت اقبال کو بہت پسند ہو - اور انہوں نے اسے نٹشے ھی سے لیا ہو - مگر اقبال نے ایمرسن، اور جرمنی کے کئی شعرا کی نظموں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے - لیکن ہم اس ترجمہ کی وجہ سے اقبال کو ان کے فلسفہ کا خوشہ چین قرار نہیں دے سکتے - نٹشے اور اقبال میں بنیادی طور پر کوئی مشترک عنصر موجود نہیں ہے - سوائے فوق البشر اور مرد مومن یا مرد کامل کے رسمی اور اسمی اشتراک کے - اقبال نے نٹشے کی خوبیاں اور غلطیاں بڑی ھمدردی سے واضح کی ھیں - لیکن وہ اس کا خوشہ چین نہیں ہے . . . " ١-

عبدالرحمٰن طارق نے بھی جہان اقبال میں اقبال کی نٹشے سے اثر پذیری کا انکار کیا ہے - اور نٹشے کی کتاب زرتشت کے کئی ابواب کا سلیس ترجمہ کرکے نٹشے کے فوق البشر کی اخلاقی حالت اور مرد مومن کی اخلاقی عظمت کا مقابلہ کرکے اپنا مطلب واضح کیا ہے -

جناب عبدالسلام ندوی نے معارف ۴۲ء کے کئی شماروں میں اقبال کا فلسفہ خودی کے عنوان سے اسرار پر مفصل بحث کرکے نٹشے کے اثرات کا محاکمہ کیا ہے - وہ خلیفہ صاحب کے اس تجزیے پر کہ " نٹشے کے یہاں جو مرحلہ شیری ہے اس کو اقبال نے دوسری جگہ بیان کیا ہے - لیکن اس سلسلے میں اسے نظر انداز کر دیا ہے" یوں اظہار خیال کرتے ھیں - " خلیفہ صاحب نے

---

١ - Iqbal His Art and thought خلاصہ صفحات ۱۲۱—۱۳۱

ہم کو یہ نہیں بتایا کہ ڈاکٹر صاحب نے مرحلہ شیری کو دوسری جگہ کہاں بیان کیا ہے ۔ لیکن اگر اس کے معنی جبر سے اختیار میں آنے کے ہیں ۔ تو اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے اس کو بھی بیان کر دیا ہے ۔

در اطاعت کوش اے غفلت شعار
مے شود از جبر پیدا اختیار،،۱

وہ لکھتے ہیں ۔ ''اقبال کے نقادوں نے اس کے جواب میں زیادہ سے زیادہ یہ کیا ہے کہ نٹشے اور ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ میں فرق و امتیاز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ مثلاً خلیفہ صاحب نے فرمایا ہے ۔ 'اقبال کے نصب العینی انسان میں ناز کے ساتھ نیاز بھی ہے ، نیز فلسفہ بے خودی کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ 'اقبال کو نٹشے کی تعلیم کا وہی پہلو پسند آیا ، جو اسلام کی تعلیم کا ایک امتیازی عنصر ہے' . . . پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے ایک مضمون ''اقبال اور فلسفہ مغرب،، میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ 'فوق البشر' مرد مومن کے مقابلے میں ناقص اور خطرناک ہے' ۔ اور یوں دونوں کا مقابلہ کیا ہے . . . لیکن اس فرق و امتیاز کے دکھانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسرار خودی کا فلسفہ نٹشے سے ماخوذ و متاثر نہیں بلکہ وہ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کا دعویٰ ہے تمام تر مسلمان صوفیا و حکما کے مشاہدات سے ماخوذ ہے،، ۔۲

مولانا عبدالسلام نے اقبال کی اس حیثیت پر مفصل بحث کی ہے ۔ لیکن انھوں نے اس بحث کو محض اسرار تک محدود رکھتے

---

۱ - معارف اکتوبر ۴۷ء صفحہ ۲۶۰ -
۲ - ایضاً صفحہ ۲۶۶ -

هوئے (جیسا کہ انھوں نے اعتراف کیا ہے) نتائج نکالنے میں غلطی کی ہے ۔ مصنف کی دوسری تصانیف حتیٰ کہ رموز سے بھی دور رہنا فکر و حکمت کی اساس سمجھنے کے لئے ایک تکلف پیدا کرنے کے مترادف ہے ۔ جو نہایت بے جا ہے اور اسی وجہ سے مولانا کے تمام مباحث لاحاصل ہو گئے ہیں ۔ وہ علامہ مرحوم کے فلسفۂ خودی کو اسرار کی حد تک جاننا چاہتے ہیں اور یہ خیال رکھتے ہیں کہ اس کے ماخذ کا پتا صرف ایک کتاب پر انحصار رکھنے سے چل سکتا ہے ۔

ڈاکٹر سید عبد اللہ صاحب یوں رقم طراز ہیں ۔ کہ ''اقبال پر یورپ کا اثر کہاں تک ہوا ۔ اس کا جواب دیتے وقت لوگوں نے عجیب عجیب ستم ظریفیاں کی ہیں ۔ بعض اقبالسٹ اس بات پر مصر ہیں کہ اقبال نے یورپ کے افکار سے بالکل اثر قبول نہیں کیا ۔ کیونکہ آن کے خیال میں یہ چیز عظمت کے منافی ہے لیکن راقم الحروف کو اس خیال سے اتفاق نہیں ۔ اقبال یورپ کے خیالات سے بہت متاثر ہوئے ۔ انھوں نے بعض افکار کو اپنے فلسفے میں جذب کیا ۔ اور بعض سے رد عمل کے طور پر کوئی سلبی رائے قائم کر لی ۔ البتہ اس حد تک درست ہے کہ اقبال یورپ کے افکار کو اسلامیات کی روشنی میں دیکھنے کے عادی ہیں ۔ اور مقابلہ و تقابل کرکے اپنا اجتہاد کرتے ہیں ۔ جو سر سید وغیرہ، کے اجتہاد سے بالکل مختلف ہے ۔ کیونکہ ان کا اجتہاد تقلیدی اجتہاد تھا ۔ آپ نے برگسان کی Intuition کی بحثوں کا مطالعہ کیا اور کانٹ کے The Critique of Pure Reason پر تنقید کی ۔ نٹشے کے افکار کی مدح کی اور براؤننگ کے پرامید کلام سے حظ آٹھایا ۔

اور پھر گوئٹے کے تصوف اور مشرق پسندی کی بھی تعریف کی۔ غرض یورپ کے فلسفہ کے بعض پہلوؤں سے متاثر ہونا بڑائی اور عظمت کے منافی نہیں ''۔۱

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ھا

ہم نٹشے سے متعلق اس بحث کو ختم کرنے سے پیشتر، علامہ اقبالؒ کے ایک مکتوب کا کچھ حصہ پیش کرتے ھیں۔ دیکھئے وہ خود اس تاثر کے سلسلے میں کیا فرماتے ھیں:

'' بعض انگریز۲ تنقید نگاروں نے اس سطحی تشابہ اور تماثل سے جو میرے اور نٹشے کے خیالات میں پایا جاتا ہے۔ دھوکا کھایا ہے اور غلط راہ پر پڑ گئے ھیں۔ دی اینتھیم والے مضمون میں جو خیالات ظاھر کئے گئے ھیں۔ وہ بڑی حد تک حقائق کی غلط فہمی پر مبنی ھیں۔ اگر مضمون نگار کو میری نظموں کی صحیح تاریخ اشاعت کا بھی علم ھوتا تو مجھے یقین ہے۔ کہ میری ادبی سرگرمیوں کے نشو و نما اور ارتقا کے متعلق اس کا زاویہ نگاہ بالکل مختلف نظر آتا۔ وہ انسان کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکا۔ اور میرے انسان کامل اور فوق الانسان کو ایک ھی چیز فرض کر لیا ہے۔ میں نے آج سے تقریباً بیس برس پہلے انسان کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ نہ تو نٹشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا اور نہ اس کی کتابیں میری نظر سے گزری تھیں۔ یہ مضمون 'انڈین انٹی کیوری' میں شائع ھوا اور جب ۱۹۰۸ء میں

۱۔ اردو ''جنگ عظیم کے بعد'' ۱۹۴۱ء صفحہ ۳۵۔
۲۔ آج ان کی دیکھا دیکھی مشرقی تنقید نگار بھی وھی کچھ فرما رہے ھیں۔

میں نے ایرانی الٰہیات پر ایک کتاب لکھی تو اس مضمون کو اس میں شامل کر لیا گیا ۔ انگریزوں کو چاہئے کہ میرے خیالات کو سمجھنے کے لئے جرمن مفکر کی بجائے اپنے ہم وطن فلسفی کے افکار کا مطالعہ کریں ۔ میری مراد الیگزنڈر سے ہے ۔ جس کے گلاسکو والے خطبات پچھلے سال شائع ہو چکے ہیں ۔

مسٹر ڈکنسن نے آگے چل کر میرے فلسفۂ سخت کوشی کا ذکر کیا ہے ۔ اس کا مدار علیہ وہ خیالات ہیں جو میں نے حقیقت کے متعلق اپنی نظموں میں ظاہر کئے ہیں ۔ میرے عقیدے میں حقیقت ایسے اجزا کا مجموعہ ہے ۔ جو تصادم کے واسطے سے رابطہ و امتزاج پیدا کرکے کل کی صورت میں تبدیلی کی سعی کر رہی ہے ۔ اور یہ تصادم لامحالہ اس کی شیرازہ بندی پر منتج ہوگا ۔ در اصل بقائے شخصی اور زندگی کے ارتقاء کے لئے تصادم ضروری ہے ۔ نٹشے بقائے شخصی کا منکر ہے ۔ جو شخص حصول بقا کے آرزو مند ہیں ۔ ان سے کہتا ہے کیا تم ہمیشہ کے لئے زمانے کی پشت کا بوجھ رہنا چاہتے ہو ۔ یہ الفاظ اس نے اس لئے کہے کہ اس کا زمانے کے متعلق تصور غلط تھا ۔ اس نے کبھی مسئلۂ زمان کے اخلاقی پہلو کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ۔ لیکن اس کے برعکس میرے نزدیک بقاء انسان کی بلند ترین آرزو ہے ۔ اس لئے میں تصادم و پیکار کو ضروری سمجھتا ہوں ۔ اور یہ انسان کو زیادہ مستحکم کرتی ہے ۔ اس لئے میں نے جمود و سکون اور اس نوع کے تصوف کو جس کا دائرہ محض قیاس آرائیوں تک محدود ہو مردود قرار دیا ہے میں تصادم کو سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاقی حیثیت سے ضروری سمجھتا ہوں ۔ حالانکہ اس باب میں نٹشے کا مدار خیالات غالباً سیاست ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ”۔

"میں نے اسرار خودی پر چند تشریحی نوٹ لکھے تھے۔ جنھیں آپ نے دیباچہ اسرار میں شامل کر لیا ہے۔ ان حواشی میں میں نے مغربی مفکرین کے افکار و عقائد کی روشنی میں اپنی حیثیت واضح کی ہے۔ تا کہ اہل انگلستان میرے خیالات آسانی سے سمجھ سکیں۔ ورنہ قرآن حکیم، صوفیائے کرام اور مسلم فلاسفہ کے افکار سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے اسرار کے پہلے ایڈیشن میں بزبان اردو جو دیباچہ لکھا ہے۔ اس میں یہی طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے۔

میرا دعویٰ ہے کہ اسرار کا فلسفہ مسلم صوفیا و حکما کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے۔ اور تو اور وقت کے متعلق برگسان کا عقیدہ بھی ہمارے صوفیا ۱ کے نزدیک نئی چیز نہیں ہے۔ قرآن الہیات کی کتاب نہیں۔ بلکہ اس میں انسان کی معاش و معاد کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے۔ پوری قطعیت سے کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا تعلق الہیات ہی کے مسائل سے ہے۔ عہد جدید کا ایک مسلمان عالم جب ان مسائل کو مذہبی تجربات اور افکار کی روشنی میں بیان کرتا ہے۔ جن کا مبداء اور سر چشمہ قرآن ہے۔ تو یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ جدید افکار کو قدیم لباس میں پیش کیا جا رہا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پرانے حقائق کو جدید افکار کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ بد قسمتی سے اہل مغرب اسلامی فلسفہ کی تعلیم سے نا آشنا محض ہیں۔ اے کاش مجھے اس قدر فرصت ہوتی کہ میں اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھ کر مغربی فلاسفہ کو اس حقیقت سے روشناس کر دیتا۔

۱۔ لیکر ازل سے تا ابد ایک آن ہے۔ گر درمیاں حساب نہ ہو سال و ماہ کا

که دنیا کی مختلف قوموں کے فلسفیانہ خیالات ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہیں ،، ۔۱

اس مکتوب کی روشنی میں اور ناقدان اقبال کی کوششوں کو، جن کا سرسری ذکر کیا گیا ہے ،۲ دیکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ یہی کہنے کی گنجائش ہے کہ فلسفۂ سخت کوشی یا مسئلۂ خودی کے لئے جو اقبالرح کے تصوف کا ورد اولیٰ ہے ، وہ نٹشے کا خوشہ چین نہیں ہے ۔ نٹشے کے ہاں طاقت اور جد و جہد کا جو تصور ہے وہ اقبال کے ہاں بھی ہے ۔ اقبال نے نٹشے کا مطالعہ کرنے پر اپنے اور نٹشے کے ~~ان~~ تصورات کو عملی جامہ پہنانے اور ان کے عواقب و نتائج کی حیثیت سے دیکھنے پر ہو سکتا ہے ایک طرح کی خاطر جمعی محسوس کی ہو ۔ انہیں نٹشے کے افکار کے کچھ پہلو اپنے افکار سے مماثل نظر آئے انہیں انہوں نے پسند کیا ۔ اور نٹشے کے بیان کا ایک آدھ استعارہ بھی انہیں پسند آ گیا ۔ جسیے انہوں نے اپنے بیان میں ضمناً ادا کر دیا ۔ لیکن اس سے اس بات کا ثبوت فراہم نہیں ہو سکتا کہ اسرار کے بنیادی افکار نٹشے کی تقلید پر مبنی ہیں ۔

اقبال اور مغربی حکما کے تعلق کے سلسلے کی دوسری کڑی برگسان ہے ۔ دیکھئے اس موضوع پر اہل قلم کیا فرماتے ہیں :

,, وہ نٹشے اور برگسان سے متاثر ہیں لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ دوسرے فلسفیوں کو چھوڑ کر وہ انہیں دونوں سے کیوں متاثر ہوا ۔ در اصل اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کے

---

۱ - اقبالنامہ جلد اول صفحہ ۳۵۷ تا ۳۴۷ -

۲ - اقبالنامہ جلد اول صفخہ ۳۵۷ تا ۳۴۷ -

نظریوں سے اقبال رح کو اپنے مخصوص خیالات کی تائید حاصل ہوگئی۔ نٹشے نے مغربی کلیسائی افکار کی دھجیاں اڑائیں۔ وہ خدا کا منکر ہے لیکن اس کے تصورات سے جو اخلاقی نتائج مرتب ہوتے ہیں وہ اسلامی تعلیمات سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ فوق البشر کا نظریہ الجیلی کے انسان کامل کے نظریہ سے بہت مشابہ ہے۔ برگسان کا تخلیقی ارتقاء کا نظریہ بھی ان اصول سے بہت قریب ہے۔ جو اقبال کو عزیز ہیں۔ برگسان کے نزدیک حیات ایک مستقل اور مسلسل تخلیق ہے جو بعض مخصوص قوانین و نوامیس کی پابند ہے۔ تعینات و کثرت، زمان و مکان، متناقص حقائق نہیں ہیں۔ عقل اشیاء کو فرداً فرداً تحلیل کر سکتی ہے۔ لیکن حقیقت کا علم اس کی دسترس سے باہر ہے۔ علم کا حقیقی سر چشمہ وجدان ہے۔ وہ زمانے کو استمرار یا دوران سے تعبیر کرتا ہے۔ اقبال نے اس تخیل سے مخصوص نتائج اخذ کئے ہیں،، ۔1

"اقبال کا فلسفہ نٹشے اور برگسان سے متاثر ہے۔ اس کی شاعری سے ہمیں شیلے کی یاد آتی ہے۔ اور وہ ایک مسلم کی حیثیت سے سوچتا اور محسوس کرتا ہے۔ بے شک اس نے مسلمانوں پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں . . .،، ۔۲

عبداللہ انور بیگ کہتے ہیں۔ " اقبال نے وجدان کا تصور غزالی رح سے لیا اور برگسان کے فلسفہ نے اسے اس کے تسلیم کرنے میں مدد دی ،، ۔۳

---

۱ ۔ اقبال کا تصور حیات از یوسف حسین خاں جامعہ اپریل ۳۸ء ۔

۲ ۔ اخبار سٹیٹسمین ۲۳ اپریل ۳۸ء ۔

۳ ۔ شاعر مشرق صفحہ ۲۱۴ ۔

''اقبال اور برگسان کا تصور وقت ایک سا ہے ۔ سوائے اس امر کے کہ برگسان زندگی کی حرکت کو بے مقصد قرار دیتا ہے ۔ اور توجیہ یہ کرتا ہے ۔ کہ حرکت اگر کسی مقصد کے تحت ہو تو وقت غیر حقیقی ہو جائے گا ۔ اقبال اس گردش و حرکت کو قرآنی تعلیمات کے طفیل خاص مقصد کے تحت گردانتا ہے'' ۔۱

''جدید فلسفیوں میں اقبال کانٹ ، ہیگل ، شوپن ہاور ۔ نٹشے اور برگسان ، ان سب کے ساتھ تھوڑی دیر چل کر آگے گزر جاتا ہے ۔ اس منزل پر وہ مولانا روم رح سے جا ملتا ہے ۔ جو اس پر حقائق حیات کا انکشاف ایک نئے انداز میں کرتے ہیں . . . '' ۔۲

''برگسان کائنات اور زندگی کی حرکت کو بغیر کسی غایت کے بتاتا ہے ۔ اس لئے کہ غایت وقت کو غیر حقیقی بنا دیتی ہے ۔ اقبال اس غایت کی توجیہ کرتا ہے ۔ کہ غایت سے مراد اگر پہلے ہی سے متعین منزل یا مقصد کی تجویز پر عمل کیا جائے تو ایسی حرکت واقعی وقت کو غیر حقیقی بنا سکتی ہے ۔ کیونکہ اس طرح کائنات ایک سٹیج بن جائے گی اور تمام امور طے شدہ (ازلی) اور آزادی کا تصور بے سود ہو جائے گا ۔ غایت کا ایک اور مطلب ہے کہ مقاصد اور نتائج کو بنایا اور بدلا جائے اور ان مقاصد کی طرف حرکت کی جائے ۔ جوں جوں زندگی آگے بڑھے نئے نئے مقاصد پیدا ہوتے جائیں ۔ اس طرح وقت ایک خط تو ہوگا لیکن پہلے سے کھچا ہوا نہیں بلکہ کھچا جا رہا ہے ۔ انسانی عمل کھلے امکانات کو حقائق میں بدلتا جاتا ہے'' ۔۳

---

۱ - مقام اقبال صفحہ ٦١ -

۲ - مقام اقبال صفحہ ۲۱۱ -

۳ - مقام اقبال صفحہ ۲۱۹ -

ڈاکٹر عشرت حسن ''اقبال اور وائٹ ہیڈ'' کے زیر عنوان رقمطراز ہیں ''کہ برگساں سے تغیر کے سلسلے میں جیمس متاثر ہوا - اور جیمس و برگساں دونوں سے وائٹ ہیڈ متاثر ہوا اور اقبال نے وائٹ ہیڈ سے تصور لیا ہے - اگرچہ بعض جگہ اقبال نے وائٹ ہیڈ کے نظریات میں ترمیم روا رکھی ہے'' - ۱

''کچھ دوسری قسم کے لوگ ہیں جو اقبال کو ایک فلاسفر کی حیثیت سے پہچانتے ہیں - لیکن اُن کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے نزدیک اقبال کے افکار و نظریات کے ماخذ حکمائے مغرب مثلاً نٹشے ، برگساں وغیرہ کے خیالات و تصورات ہیں - اگر وہ بعض صورتوں میں ماخذ نہیں تو کم از کم اقبال ان سے متاثر ضرور ہیں'' - ۲

بشیر احمد ڈار ''اقبال کے پیشرو'' کے زیر عنوان یوں اظہار خیال کرتے ہیں - ''کہ کشف کے سلسلے میں اقبال کے لئے صوفیائے کرام کے مشاهدات زیادہ واضح تھے - انھوں نے صرف دوران زمان کا تصور برگساں سے لیا ہے - اقبال کے نزدیک فکر (Thought) برگساں کے تصور فکر سے زیادہ اهمیت رکھتا ہے برگساں نے Will اور Thought کو علیحدہ علیحدہ رکھا ہے - جب کہ اقبال کو یہ منظور نہیں ہے'' - ۳

'' نٹشے کے بعد دوسرا یورپین فلسفی جو اقبال سے کچھ اشتراک نظریات رکھتا ہے - وہ برگساں ہے - اس کے نزدیک

---

۱ - معارف جنوری ۵۲ء -

۲ - خطبات اقبال صفحہ ۱۱۱ -

۳ - A Study in Iqbal's Philosophy p. 101—108.

تغیر کائنات کی اساسی حقیقت ہے ۔ حیات دائمی اور مسلسل تبدیلیوں کا مجموعہ ہے ۔ مگر ہماری دماغی روشنی ہمیں ایسا بتاتی ہے کہ یہ سکون سے گزر رہی ہے ۔ حرکت برگسان کے نزدیک کسی مقصد کی پابند نہیں ۔ یہاں اقبال کے نظریات برگسان سے اتفاق نہیں رکھتے ۔ یہ دونوں فلسفی Pure time پر (بجائے Serial time) یقین رکھتے ہیں ۔ برگسان کی غلطی یہ ہے کہ اس نے زمان کو شخصیت سے زیادہ اہمیت دی ہے ۔ جس پر اقبال نے برگسان پر کڑی تنقید کی ہے ۔

"I venture to think that the error of Bergson consists in regarding time as prior to self, to which alone pure duration is predictable." [1]

" میں یہ خیال کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ برگسان کی غلطی زمان کو شخصیت سے اہم قرار دینے پر مبنی ہے حالانکہ خالص دوران کا ادراک صرف شخصیت ہی کر سکتی ہے "۔

برگسان کے ہاں مادہ اور روح کی پیکار کے لئے کوئی خاتمہ نہیں ہے ۔ مادہ اور روح دونوں ازلی ہیں مگر اقبال کے ہاں ہر شے پر ایک قوت ارادی جسے خدا کہتے ہیں ۔ اپنا عمل کر رہی ہے برگسان عقل کو بالکل نظر انداز کردیتا ہے مگر اقبال کے ہاں اگرچہ عشق کا مرتبہ بلند ہے لیکن عقل بھی عشق کی معاون و مددگار ہے اور اچھی شے ہے جسے بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا "۔۲

---

۱ - The Reconstruction of Religious thought in Islam Page 75.

۲ - Iqbal, His Art and thought Page 140—141

اقبال کے افکار و نظریات اور یورپین حکما و فلاسفہ کے خیالات و تصورات میں یہ اختلاف کیوں ہے ؟ اقبال کی رسائی حقیقت تک کیسے ہوئی ؟ اور اس کے لئے انھوں نے کن صوفیائے کرام سے فیض حاصل کیا ؟ اس عقدے کو کھولنے سے پہلے اقبال کی ذہنی کشمکش کا اندازہ لگانا ضروری ہے ۔

ہم اس جائزے کے لئے ان کی معرکۃالارا کتاب '' اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل جدید ''۱ کے متعلقہ حصوں پر نظر ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں ۔ اس طرح ان کا عہد اضطراب واضح ہو سکے گا اور 'مطمئنہ' زمانے کے لئے بنیادی تصورات کی نشاندھی ہو جائے گی ۔

The Reconstruction of Religious thought in Islam. - ۱

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب

باب چہارم

عہد اضطراب

عشق کی اک جست نے طے کردیا قصہ تمام
اس زمیں و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

عہد اضطراب کبھی تو مدت العمر تک ختم نہیں ہوتا اور کبھی چشم زدن میں حجابات دور ہو جاتے ہیں ۔ ان تعنیات وجود کا سامنے سے ہٹ جانا دریائے توحید کی موجزنی پر منحصر ہے ۔ وہ جسے چاہے منتخب کرے ۔ لیکن اس انتخاب کے لئے بھی ایک حد تک منتخب فرد کی صلاحیتوں کو درخور اعتنا رکھا جاتا ہے ۔ اس عہد اضطراب سے ہر ایک کو گزرنا ہوتا ہے ۔ ابراھیمؑ اس میں سے ہوکر واصل بحق ہوئے ۔ موسیٰؑ کو ہمکلامی کے شرف سے نوازنے سے پیشتر سالوں تک شعیبؑ کے ہاں شبانی پر مقرر کیا گیا تب جاکر ان کے قلب کی گہرائیوں سے 'رب ارنی' کی صدا کروٹ لیکر بیدار ہوئی اور یہ بیداری تماستر بیدار کرنے والے کے رحم و کرم پر منحصر تھی ورنہ ہزاروں افلاطون گرداب فنا میں میٹھی نیند سوگئے اور قلب کی بیداری نہ ملی ۔ رومیؒ جیت گیا ، رازی ھار گیا بوعلی غبار ناقہ میں گم ہوگیا اور عارف رومی کا ہاتھ پردہ محمل تک جا پہنچا ۔ ابوجہل جہالت کی تاریکیوں میں غوطہ زن رہا اور اسپر حقیقت منکشف نہ ہو سکی ۔ بلالؓ حبشہ کی تاریکیوں سے ابھر کر حسن و عرفان کے تجلی زار میں گلگشت فرمایا کیا ۔ فلسفی کے ہاتھ حقیقت کا سر رشتہ نہ آسکا ۔ منطقی صغریٰ

سے نکلا تو کبری میں جا پھنسا اور قلندر جو دو حرفوں کے علاوہ کچھ نہیں رکھتا تھا ، سب کچھ پاگیا :

قلندر جز دوحرف لااله کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیه شہر قاری ہے لغت ہائے حجازی کا

جس نے من کی دنیا میں سیر کی اسے اپنا یا اپنے کا سراغ مل گیا کسی کو دیر سے اور کسی کو سویرے یه وادی بڑی کٹھن اور پرخطر ہے :

رهرو راه محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

کبھی زندگی انہیں دو چار مقامات پر ختم ہو جاتی ہے اور کبھی لیلائے معنی تک رسائی ہوجاتی ہے بہر حال اس عہد اضطراب سے گزرنا ناگزیر ہے ان لوگوں کے لئے یه سفر زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے جو عقل اور محض عقل کے سہارے خرام ناز فرمایا کرتے ہیں عین منزل مقصود کے پاس عقل جواب دے جاتی ہے اور رفرف عشق سے تعلق نه ہو تو سراسیمگی کا شکار ہونا پڑتا ہے :

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اقبال اس عہد اضطراب سے گزرے ہیں اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ، یورپ کے فلاسفه و حکما کا پورا کارواں گرد راہ کی نذر کرتے ہوئے انہیں اپنی منزل مقصود کی حقیقت کا علم جلد ہی ہو گیا اور یوں انہیں رفرف عشق کی یاوری سے کامیابی نصیب ہوئی ۔

عشق کیا ہے ؟ ، ولولۂ حیات ، مافوق و مابعد ، تحت و بالا سے بے نیازی ، اپنی دھن میں پختگی اور سرشاری ہمالہ راہ میں آئے تو خاطر میں نہ لانا :

شیشہ اگر بسنگ زد ایں چہ مقام گفتگو ست
عشق بدوش مے کشد ایں ہمہ کوھسار را

اس عشق کی کارفرمائیاں کائنات کی رنگینی اور کاروان حیات کی بقا کی ذمہ دار ھیں : ع

عشق نہ ہو تو شرح و دین بتکدۂ تصورات،

صدق خلیلؑ بھی ہے عشق ، صبر حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

یہ عشق زندگی کی جولانی ہے باعث تنگ دامانی نہیں اس سے قومیں ابھرتی ھیں - افراد چمکتے ھیں نظریات زندہ و پایندہ عمل کی صورت میں متشکل ھوتے ھیں یہ جس گھر سے سر اٹھائے وہ سربہ فلک عمارت میں تبدیل ھوجاتا ہے اور وھاں بقائے دوام آتی ہے اقبال کا تصور عشق یہ نہیں ہے :

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا

اس کی جاں نثاری اور جاں سپاری محبوبہ کو مائل بہ کرم کرتی ہے اور منزل شوق میں اس سے مدد ملتی ہے :

جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے (غالب)

حقیقت تک رسائی کا آسان طریقہ یہی عشق ہے - جس کی اک جست،

وهاں لے جاتی ہے جہاں نہ آن ہے نہ جہت و مکان ہے اور اس کا کمال " لی مع اللہ وقت " کے درجۂ اعلیٰ پر فائز ہونا ہے۔

اقبال صاحب حضور تھے۔ راقم الحروف کا یہ دعویٰ ہے اور اس کے لئے متعلقہ باب میں وجوہات پیش کی جائیگی لیکن اس سے پیشتر ہم اقبال کے رازیانہ پیچ و تاب پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یوں تو اقبال کے افکار کی تدریجی صورت حال کا خاکہ ان کے اردو اور فارسی کلام میں منتشر صورت میں موجود ہے جس کی شیرازہ بندی سے ان کا فلسفیانہ نظام متشکل ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم اپنے موضوع کی مناسبت سے صرف ان چند ضروری مقامات کی نشاندھی پر اکتفا کریں گے جنھیں ان کے آئندہ افکار کے لئے اساسی حیثیت حاصل ہے اور اس کے لئے بھی جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ان کا فلسفیانہ شاہکار پیش نظر رکھیں گے۔

ذات

" تصور باری تعالیٰ اور عبادت کا مقصود " کے زیر عنوان علامہ نے قدیم و جدید افکار پر بحث کرنے کے بعد اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے سب سے زیادہ زور خدا کے ایک شخص ہونے پر دیا ہے۔

"If God is an Ego and as such an individual, how can we conceive Him as infinite ? The answer to this question is that God cannot be conceived as infinite in the sense of spatial infinity. In matters of spiritual valuation mere immensity counts for nothing". page 89

"اگر خدا ایک انا ہے اور اس طرح ایک شخصیت
تو ہم اسے ایک لا محدود کے طور پر کیسے تصور

کر سکتے ھیں ؟ اس سوال کا جواب یہ ھے کہ مکانی لا محدودیت کے معنوں میں لا محدود خدا کا تصور نہیں ھو سکتا ۔ "(یہ پیش نظر رھنا چاھئے کہ) روحانی اقدار کے معاملات میں وسعت محض کی کوئی وقعت اور اھمیت نہیں ھوا کرتی . . . "

دیکھئے یہیں سے اقبال کا مسلک وجودی فلسفیوں سے علحدہ ھوگیا ھے ۔ یہی وہ مسئلہ ھے جو فلسفے ، الہیات ، کلام ، تصوف اور روحانیت کی اصل اصول ھے ۔ اس کو سمجھنے کے لئے فکر انسان اس وقت تک محو عمل ھے اور اس حقیقت کو جیسا کہ ایم ۔ ایم ۔ شریف صاحب نے کہا ھے جاننا ناممکنات میں سے ھے " میرا یقین ھے کہ حقیقت دائمی طور پر پوشیدہ رھے گی ۔ بطور کل کے ، ایک محدود غیر محدود کا اور ایک جزو کل کا ادراک کیسے کر سکتا ھے " ۔ تاھم ھر صاحب نظر نے اپنے اپنے مقام کی رعایت سے اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنے افکار کا اظہار کیا ھے ۔ اقبال کہتے ھیں ۔

"The Ultimate Ego is, therefore, neither infinite in the sense of spatial infinity nor finite in the sense of the spacebound human ego whose body closed him off in reference to other egos. The infinity of the Ultimate Ego consists in the infinite inner possibilities of His creative activity of which the universe as known to us, is only a partial expression."

page 90

"لہذا انائے مطلق ، نہ ھی مکانی لا محدودیت کے معنوں میں لا محدود ھے اور نہ ھی وہ مکان گزین انسانی انا کے معنوں میں محدود ھے کہ جس کے

جسم نے اپنے آپ کو دوسری اناؤں کے حوالہ جات ۱
کی رو سے مقید کر رکھا ہے بلکہ انائے مطلق کی
لا محدودیت ان لا محدود باطنی تخلیقی امکانات پر
مشتمل ہے جن میں سے یہ کائنات جو عالم وجود میں
آئی ہے محض ایک جزوی اظہار ہے . . . "

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے ~~گویا~~ شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

خدا کی شخصیت اور اسکے ایک فرد ہونے کے سلسلے میں
نکلسن نے اقبال کے نظریات واضح کرتے ہوئے کہا ہے ۔

"God Himself is an individual. He is the most unique individual," . . . . . . page XVI. The Secrets of the Self.

"خدا خود ایک شخص ہے وہ سب سے زیادہ منفرد
شخص ہے "

نیز امام احمد بن حنبل رح کا بھی یہی عقیدہ تھا ۔ لیکن خدا کی
شخصیت اور اسکی ذات کا جو تصور علامہ نے یہاں پیش کیا ہے ،
یہ ان کا ذاتی تصور ہے اور یہی " ان چند مقامات میں سے ایک ؟
مقام ہے ، جہاں اقبال کا اپنا (ذاتی) فلسفہ بیان ہوا ہے" اور یہی
وہ نظریہ ہے جس کی بنا پر علامہ نے برگسان کے خالص دوران کو
شخصیت سے زیادہ اہمیت دینے پر اعتراض کیا ہے ۔۲ یہ مقام نہایت

۱۔ جب کہ کوئی انا اس کے مشرق میں، کوئی مغرب میں، کوئی جنوب میں،
کوئی شمال میں ، کوئی اوپر اور کوئی نیچے واقع ہو ۔

۲۔ اسلامی الٰہیات کی تشکیل جدید صفحہ ۵۷ و ۷۵ ۔

مشکل تھا لہذا اقبال کے نظریات سے بحث کرنے والوں نے اسے نظر انداز کر دیا ہے اور تفصیلی مباحث میں نہیں پڑے بلکہ شیخ محمد اکرام صاحب نے موج کوثر میں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ "اقبال ذات باری کے متعلق دقیق جھگڑوں میں نہیں پڑے"۔ ۱ ہمارے خیال میں اقبال کا یہی تصور ہے جو اسے وجودی فلسفی ہونے سے بچاتا ہے - اس سے کہیں زیادہ دلیرانہ اظہار اقبال کا خدا کے علم سے متعلق نظریہ ہے - وہ خدا کی تخلیقی قوت اور دوام پر بحث کرتے ہوئے خدا کے علم کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں -

"The future certainly pre-exists in the organic whole of God's creative life, but it pre-exists as an open possibility, not as a fixed order of events with definite out lines." . . . . . page 109

"خدا کی تخلیقی حیات میں مستقبل یقیناً پیشتر سے ہی موجود ہے - لیکن اس کا وجود ایک کھلے ہوئے امکان کی حیثیت سے ہے اور واقعات کی متعینہ ترتیب کی صورت میں جس کے جملہ حواشی مقرر ہوں (مستقبل کا ہر واقعہ) نہیں ہے . . . "

اقبال کا یہ تصور تمام تر انفرادی ہے اور وہ اس کے عواقب سے مکمل طور پر باخبر ہیں - یہ تصور انہوں نے خدا کو جمود سے مبرا ثابت کرنے اور بالخصوص تقدیر اور جبر کے عمومی تصورات سے بچنے کے لئے قائم کیا ہے -

"If history is regarded merely as a gradually

---

۱ - موج کوثر صفحہ ۲۱۷ -

revealed photo of a predetermined order of events, then there is no room in it for novelty and initiation" . . . . page 110

''اگر تاریخ کو محض پیشتر سے مرتب اور مقرر واقعات کی ایک ایسی تصویر قرار دیا جائے جو آہستہ آہستہ رونما ہو رہی ہے تو اس طرح اس میں جدت (فکر و عمل کی جدت) اور ندرت کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ہے ''

عمل کو آزاد اور تخلیق کو بامعنی ثابت کرنے کے لئے اقبال نے ان تصورات کو قائم کیا ہے اور انہیں اس طرح خدا کی طاقت کے بظاہر غیر محدود ہونے کے شک کا مکمل خیال ہے ۔

"No doubt, the emergence of egos endowed with the power of spontaneous and hence unforeseeable action is, in a sense, a limitation on the freedom of the all inclusive Ego. But this limitation is not externally imposed. It is born out of His own creative freedom whereby He has chosen finite egos to be participators of His life, power and freedom." page 110.

''اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی اناؤں کی تخلیق جو عمل کی ایسی صورتوں کی حامل ہوں ، جن کا پیشتر سے کوئی تعین نہیں اور وہ ان کی مرضی سے متعلق ہیں ، ایک طرح سے (یہ صورت حالات) انائے مطلق کی آزادی پر حد بندی (پابندی) قائم کرتی ہے ۔ لیکن یہ (پیش نظر رہے) پابندی اس پر عائد نہیں کی گئی ہے بلکہ اس نے اس کی تخلیقی آزادی سے جنم لیا ہے اور اس طرح اس نے ان محدود اناؤں کو اپنی

زندگی ؛ قوت اور آزادی میں حصہ لینے کے لئے
منتخب فرما لیا ہے ،،

اقبال کا یہ جواز پیش کرنا تصوراتی قسم کا ہے ۔ انھوں نے اس کے لئے قرآن سے حوالے نہیں دئے ہیں اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس مسئلے پر بحث کرنے اور نتائج کے لحاظ سے اختلاف کرنے کی کافی گنجائش نکل سکتی ہے ۔۱ لیکن یہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اقبال کے یہ نظریات ان کے ان خیالات سے گہرا تعلق رکھتے ہیں جو آدم کی قوت تخلیق اور انسانی قوت کے لامحدود امکانات سے متعلق ہیں اور ان لامحدود امکانات کا واسطہ قرآن کی ان آیات سے ہے جن میں آدم کی قوت تسخیر کا ذکر ہے ،، انا سخرنا لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا ،، اور اسی وجہ سے اقبال کا آدم ' تو شب آفریدی چراغ آفریدم ' کا اظہار کرتا ہے جو انسان کی قوت تخلیق کا اقرار و اعلان ہے ۔ وہ ،، علمنا آدم الاسما . . . ،، کی عملی تفسیر ہے ۔ خدا سے مقابلے یا حریفانہ کشمکش کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ اکثر اقبالسٹوں نے تصور کر رکھا ہے ۔

انسان کی قوت تخلیق اور اس کی عظمت اور خلافت کا اقبال کے فلسفیانہ افکار کو ایک خاص سمت میں متحرک کرنے میں بڑا حصہ ہے ۔ اقبال ہبوط آدم کے سلسلے میں آدم کے گناہ کے تصور کو تسلیم

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں یہ بیان کیا ہے کہ خدا کے علم میں وقت ازل سے لے کر ابد تک ایک آن واحد ہے جس میں اس ۔ ہر فرد کے جملہ اعمال کو ، حالات کو اور افکار کو جانتا ہے ۔ اس کے علم میں زید اسی وقت پیدا ہو رہا ہے ، جوان ہو رہا ہے ، مر رہا ہے ، حشر میں موجود ہے ، وغیرہ وغیرہ ۔

نہیں کرتا اور آدم کی تخلیق کا بلند مقصد پیش نظر رکھتے ہوئے اس دنیا کی زندگی کو بڑی اھمیت دیتا ھے تاکہ اس میں احساس خودی کے بعد انسانی خودی دوسرے عالم میں مزید مراحل ترقی طے کرسکے

"I am, therefore, inclined to think that the 'Jannat' in the Quranic narration is the conception of a primitive state in which man is practically unrelated to his environment and consequently does not feel the sting of human wants, the birth of which alone marks the beginning of human culture."

page 117.

''لہذا میں یہ خیال کرنے پر مائل ھوں - کہ ''جنت'' قرآن کے بیان میں ایک ابتدائی حالت کا تصور و تعقل ھے ، جس میں انسان عملی طور پر اپنے ماحول سے غیر متعلق اور بیگانہ ھے ، اور اسے یوں انسانی تمناؤں کی خلش کا احساس نہیں ھے ، جب کہ محض انہی تمناؤں کی تخلیق سے انسانی تہذیب و تمدن کی ابتدا ھوتی ھے . . . .''

اقبال نے جس طرح قرآن کی سورۃ ۲ اور سورۃ ۲۰ کا تعلق قائم کرکے ھبوط آدم کے مسئلے کو واضح کیا ھے وہ ان کے کمال قرآن فہمی کا ایک نادر نمونہ ھے - انسان کے اولین گناہ سے متعلق علامہ اسد بھی اقبال سے متفق ھیں -

"Islam, is emphatic in the assertion that man can reach perfection in his earthly individual life and this by making full use of all the worldly possibilities of his life......In Islam we know nothing of an original sin." [1]

---

۱ - Islam At the Cross Roads (1934.)—page 25

"اسلام اس نظریے پر زور دیتا ہے۔ کہ انسان اپنی
انفرادی — اس جہان کی انفرادی زندگی میں کمال حاصل کر
سکتا ہے اور یہ کمال اسے اپنی زندگی میں اس دنیا کے
جملہ امکانات سے متمتع ہو کر حاصل ہوسکتا ہے . . .
اسلام میں ہمیں ابتدائی گناہ (گناہ آدم) کا تصور کہیں
نہیں ملتا . . . "۔

شجر ممنوعہ کے نزدیک جانے اور اسکے نتیجے میں ہبوط آدم کے وقوعے سے پہلے آدم کی خلافت ارضی کا ذکر اللہ تعالیٰ ملائکۂ مقربین سے کر چکے تھے اور تخلیق آدم کا مقصد ہی اسے ارضی خلافت عطا کرنا تھا جس کے لئے ہبوط آدم لازمی تھا۔ لہٰذا جو فعل آدم اس لابدی ہبوط کو عملی جامہ پہنانے کی وجہ بنتا ہے اسے آدم کا گناہ قرار دینا واقعی غور طلب معاملہ ہے۔ بے شک آدم اور اسکی زوجہ پر اس فعل کے بعد عتاب، نازل ہوتا ہے لیکن یہ 'عتاب، عتاب نہیں ہے کرم ہے اور بے حساب ہے۔ اقبال سے پہلے کے مسلم مفکرین نے اس مسئلے پر اس حیثیت سے بہت کم سوچا ہے اور ہمارے نزدیک اقبال کی اجتہادی اہمیت جن چند مسائل کی وجہ سے ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

اقبال نے فرد کی آزادی پر جو زور دیا اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کے فلسفیانہ افکار میں انسان کی عظمت کا تصور اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ خودی اور شخصیت کے ضمن میں کہتے ہیں۔

"My feelings, hates and loves, judgments and resolutions are exclusively mine. God Himself cannot feel, judge and choose for me when more than one course of action are open to me." page 139

"میرے احساسات، نفرتیں اور محبتیں، تعقل اور

ABEEN 2.5.4.88

فیصلے ، (سب کے سب) واضح طور پر میری ذات سے ہیں - جب میرے سامنے ایک سے زیادہ عمل کی راہیں رونما ہوں تو خود خدا میرے لئے احساس ، تعقل اور انتخاب نہیں کر سکتا . . . " -

یہی وجہ ہے کہ اقبال نے ' ترا این کشمکش اندر طلب نیست ، اور اسی معنی کے دوسرے اشعار میں خدا اور انسان کی فکری اور تعمیری دنیا میں فرق واضح کیا ہے - اس تصور میں بھی اقبال کی ذاتی رائے اور افتاد طبع کی جھلک موجود ہے -

علامہؒ نے نماز کی ضرورت اور اہمیت کا نہایت حکمت آفریں الفاظ میں یوں اظہار کیا ہے -

"Prayer in Islam is the ego's escape from mechanism to freedom." .... page 152

" اسلام میں نماز انا کا (اپنے گرد و پیش کی علت و معلول کی پیدا کردہ متعینہ فضا) ماحول سے نکل کر آزادی تک پہنچنا ہے " -

خودی کے استحکام اور خدا کے روبرو ہو کر برقرار رہنے کا تصور پیش کرکے وجودی فلسفے کی مشکلات کو واضح کیا ہے جس کے نزدیک محدود شخصیت کا لامحدود شخصیت کے رو برو قیام نا ممکن ہے -

"This difficulty is based on a misunderstanding of the true nature of the infinite. True infinity does not mean infinite extension which cannot be conceived without embracing all available finite extensions. Its nature consists in intensity and not extensity; and the moment we fix our gaze on

intensity, we begin to see that the finite Ego must be distinct though not isolate from the Infinite".
Page. 164.

یہ ذوق لا محدود کی صحیح صورت حال سے نا واقفیت پر مبنی ہے - صحیح لا محدودیت سے مراد لا محدود پھیلاؤ نہیں ہے ، جس کا تصور تمام امکانی وسعتوں کو گھیر لینے کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا - اس (لامحدود) کی (نیچر) اصلیت وسعت پر مبنی نہیں ہے ، بلکہ اندرونی کمال (لا محدودیت) پر ہے - جب ہم اس کمال پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ تعقل ہونے لگتا ہے کہ یہ محدود انا لا محدودیت سے معرا نہ ہوتے ہوئے بھی لازمی طور پر منفرد ہونی چاہئے،، -

اب یہ حقیقت زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال کے ہاں اللہ کے اس تصور کی بنیادی وجہ ان کا فلسفۂ شہود ہے اور وہ وجودیت کے سخت مخالف ہیں - لیکن اس کے باوجود چند اقبالسٹ ، اقبال کے وجودی ہونے پر مصر ہیں - یوسف سلیم چشتی ، ارمغان حجاز کی شرح میں لکھتے ہیں ,, سابقہ تصانیف میں مسئلۂ وحدۃ الوجود پر جس قدر پردے ڈال دئے تھے ، وہ سب ہٹا دئے ہیں - اور صاف لفظوں میں 'لاموجود الااللہ' کا اقرار و اعلان کیا ہے ،، - راقم الحروف اس امر کو تسلیم کرتا ہے - کہ ارمغان حجاز ، ,, اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل جدید ،، سے بعد کی تصنیف ہے اور اس میں اقبال نے اپنے دل کی باتیں کھل کر بیان کی ہیں - لیکن ان سے ان کے فلسفے کے وجودی ہونے کا استدلال پیدا کرنا اقبال پر بہتان ہے اور ان کے فلسفے کو نہ سمجھنے کا اقرار و اعلان ہے -

محمد طاہر صاحب فاروقی کا یہ کہنا غلط ہے کہ ''مسلمان صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ کائنات ذات خدا سے علیحدہ نہیں - بلکہ اس کے مظاہر کا نام عالم ہے - قرآن کی آیات بھی اس حقیقت پر شاھد ہیں - اقبال بھی وحدۃالوجود کے قائل ہیں - لیکن اپنے بیان میں اس مصلحت کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں - مگر جوش میں آ کر اصل حقیقت بھی کہ جاتے ہیں،، - ۱ گویا اقبال ادبی منافقت سے کام لیتے ہیں - طاہر صاحب نے یہ نظر انداز کر دیا ہے کہ مسلمان صوفیہ سب کے سب وحدۃ الوجود کے قائل نہیں رہے ، ان کا ایک طبقہ اس کا مخالف رہا ہے اور اقبال نے تو بڑی شد و مد کے ساتھ وحدۃ الوجود کی مخالفت کی ہے - ابن تیمیہؒ اور مجدد الف ثانیؒ کے افکار کو مسلم صوفیائے کرام کے زمرے سے کیسے خارج کیا جا سکتا ہے جو فلسفۂ وجود کے مخالف ہیں -

کشف و شہود - تصوف کی بنیاد کشف و شہود پر نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ماحصل کشف کا حصول ہے - لیکن یہ یاد رہے کہ کشف و شہود کو تصوف اور تمام باطنی شعبوں سے گہرا تعلق ہے اور علم کا یہ سریع السیر اور یقین خیز ذریعہ سالک راہ کو اطمینان بخشتا ہے - علامہ اقبال ''اسلامی کلچر کی روح،، کے ضمن میں نبوت کے خاتمے پر جس طرح استدلال کرتے ہیں وہ ان کے فلسفۂ اسلامیات کی تشکیل میں انسانی جد و جہد اور کشف کی حقیقت و ماہیت جاننے کے لئے نہایت اہم نکتہ ہے -

"The idea of finality, therefore, should not be taken to suggest that the ultimate fate of life is complete displacement of emotion by reason. Such a

---

۱ - سیرت اقبال صفحہ ۲۹۶ -

thing is neither possible nor desirable. The intellectual value of the idea is that it tends to create an independent critical attitude towards mystic experience by generating the belief that all personal authority, claiming a supernatural origion, has come to an end in the history of man." page 177.

''لہذا خاتمیت کے تصور سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ اب زندگی انجام کار مکمل طور پر جذبے کو ترک کرکے اس کی جگہ دلیل (عقل) کو (ہر معاملے میں) حکمران بنا لینا ہے - ایسی بات نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی درکار ہے - اس خیال کی عقلی قدر و قیمت یہ ہے کہ اس سے روحانی تجربے پر آزاد تنقید کرنے کا مزاج پیدا ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ انسان کی تاریخ میں وہ ذاتی (فکری) بالادستی جو فوق الفطری اساس کی دعویدار ہو ختم ہو گئی ہے '' -

قریباً تمام مسلم صوفیہ کا یہی عقیدہ ہے جو کشف شرعی حدود کے اندر ہو اور جس کا علم الہام نبی کی تصدیق کرتا ہو وہی صائب اور درست ہے اور جو کشف وحیٔ الٰہی کی کسی حیثیت سے بھی تردید کرکے اپنی جانب سے انفرادی یا شخصی دعوے کی بنا پر کوئی نیا نظریہ قائم کرے اس کشف کو من جانب ابلیس قرار دیا جاتا ہے اور یہی وہ معیار ہے جو اسلامی کشف و شہود کو غیر اسلامی کشف و شہود سے جدا کرتا ہے -

ہمیں اقبال کے اس زمانۂ غیاب و جستجو میں سے تین باتیں بڑی وضاحت کے ساتھ ملتی ہیں اور انھیں پر ان کے آئندہ فکر و نظر کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں -

۱ - انسانی عظمت اور خودی کا احساس

۲ - تصوف کو (اور کشف و شہود کو) ایک خاص زاویۂ نظر سے دیکھنا -

۳ - عشق کی ہمراہی -

ان امور پر انھوں نے کس حد تک پابندی اختیار کی اور ان کا مسلک کس صورت میں متشکل ہوا ، اس پر تفصیلی بحث سے پہلے متعلقہ صوفیہ میں سے چند ایک کا تقابلی ذکر کرنا ضروری ہے -

شنیدم آنچه از پاکان امت
ترا با شوخی رندانه گفتم

پانچواں باب

مشرق فلاسفہ و حکماء اور صوفیائے کرام رح

رومی رح ابن عربی رح الجیلی رح غزالی رح شافعی رح داتا گنج بخش رح
ابوالعلا معری ، ابن حزم ، علامہ دوانی ، ملا باقر ،
ابن خلدون . . . . .

اور

"جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار"
مجدد الف ثانی رح

ہم تیسرے باب میں اقبال اور مغربی حکماء کے تعلق پر مختصر بحث کر آئے ہیں اور اقبال کا ان حکما سے متاثر ہونا ثابت نہیں ہو سکا - اب مشرقی منابع فکر سے اس خیال سے رجوع کرنا ہے کہ اقبال کا 'پنہان' واضح ہو سکے اور ہم ان کی طرف سے کم نظری کے ملزم نہ قرار پائیں -

کم نظر بے تابی جانم ندید
آشکارم دید و پنہانم نہ دید

"اقبال کی شاعری کی روح اسی قرآنی تعلیم سے اکتساب نور کرتی ہے - جس کے متعلق گیٹے نے کہا تھا - کہ ہم اپنی انتہائی بلندیوں پر بھی اس تعلیم سے آگے نہیں بڑھ سکتے" -۱

---

۱ - تمہید مقام اقبال

" اقبال کا تصور حیات ، فرد و ملت ، سب کچھ اسلامی اصول حیات پر مبنی ہے ، قران مجید نے کائنات اور زندگی کا جو تصور پیش کیا - اقبال نے اسی تصور کو اسلامی تاریخ کی روشنی میں پیش کیا ہے " -۱

"جدید فلسفیوں میں وہ کانٹ ، ہیگل ، شوپن ہاور ، نٹشے اور برگسان ان سب کے ساتھ تھوڑی دیر چل کر آگے گزر جاتا ہے - اس منزل پر وہ مولانا روم سے جا ملتا ہے - جو اس پر حقائق حیات کا انکشاف ایک نئے انداز میں کرتے ہیں " -۲

رومی رح | هم مشرقی حکماء و صوفیائے کرام میں سے مولانا رومی رح کو سب سے پہلے قابل مطالعہ سمجھتے ہیں اور اس کی دیگر چند وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اقبال نے بڑی فراخ دلی اور محبت کے ساتھ رومی رح کا ذکر جا بجا کیا ہے اور اپنے کمال فن اور حکمت کو رومی رح کے تتبع کا نتیجہ اور فیض قرار دیا ہے - جاوید نامہ اس پر مکمل شہادت پیش کرتا ہے - اسرار و رموز کی بحر اور تمثیلی طریق اظہار اس امر کی بین دلیل ہے کہ علامہ مرحوم ، مولانا رومی رح سے نہایت عقیدت رکھتے ہیں اور ان سے بہت متاثر ہیں اور اپنی اثر پذیری پر نازاں بھی ہیں -

پروفیسر نکلسن ترجمہ اسرار کے دیباچے میں رقمطراز ہیں -

"Much as he dislikes the type of Sufism exhibited by Hafiz, he pays homage to the pure and profound genius of Jalal-ud-Din, though he rejects

---

۱ - مقام اقبال صفحہ ۲۱۱ -
۲ - مقام اقبال صفحہ ۲۰۰ -

the doctrine of self-abandonment taught by the great Persian mystic and does not accompany him in his pantheistic flights." . . . . p. XIV.

"اگرچہ وہ اس تصوف کا بہت مخالف ہے - جو حافظ پیش کرتا ہے - تاہم وہ جلال الدین رومیؒ کی روحانیت کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے - لیکن عارف رومی کے تصور ترک خودی کو قبول نہیں کرتا اور اس کی وجودی (وحدت الوجود) پرواز میں اس کا ساتھ نہیں دیتا ہے" -

عبد اللہ انور بیگ صاحب پروفیسر نکلسن کے مندرجہ بالا بیان کو دھرانے کے بعد فرماتے ہیں کہ "اسرار و رموز کی اساس مثنوی رومی پر ہے - لیکن بنیادی طور پر فلسفے میں یہ اس سے مختلف ہے" - ۱

ڈار صاحب فرماتے ہیں - "اقبال نے رومیؒ سے اثرات لے کر اپنا کام شروع کیا - رومیؒ کے سامنے فلسفہ یونان کا مقابلہ تھا - اور اقبال کے سامنے مغربی سائنس کے اثرات اور فلسفہ کی غلط بینی تھی - دونوں نے اسلام کی جانب رھنمائی کی اور ماضی کے جمال کا مظاھرہ کرایا - دونوں نے خودی پر زور دیا اور انسانی ارتقاء کے سلسلہ میں یہ دونوں دور حاضرہ کے حکما کی طرح ارتقاء کو انسان پر آ کر رکتا ہوا نہیں کہتے بلکہ اس کے آگے کے امکانات پر زور دیتے ھیں - رومیؒ نے فرد کی اصلاح پر زور دیا اور وقت کا یہی تقاضا تھا - لیکن اقبال نے فرد کے ساتھ ملت کی تعمیر کے لئے

۱ - شاعر مشرق صفحہ ۳۳۵ -

بھی کام کیا ۔ اس حیثیت سے اقبال کا کام زیادہ ہے ۔ اور اہم بھی . . . ''۔۱

''رومیؒ جبر کا قائل نہیں ۔ وہ انسان کو با اختیار سمجھتا ہے ۔ اثبات خودی پر اقبال کے تصوف کی بنیاد ہے ۔ صحیح تصوف جو اسلام میں کسی گہری اور باطنی شکل کا نام ہے ، اقبال کے افکار و تاثرات میں جا بجا نمایاں ہے ۔ (مادی اور منطقی عقل اور عشق کا تقابل تصوف کی اساس ہے) اس مضمون میں اقبال نے ایسی گہرائی ، ایسی بلندی اور ایسی وسعت پیدا کی ہے ۔ جس نے اسے سنائیؒ ، عطارؒ ، اور رومیؒ کی صف میں کھڑا کر دیا ہے ۔ بلکہ میرا خیال ہے ۔ وہ اس سلسلے میں متقدمین سے آگے نکل گیا ہے '' ۔۲

منیر الدین صاحب فرماتے ہیں کہ ''اقبال کا تصور زمان رومیؒ کے تصور زمان سے مختلف ہے ''۔۳ جناب ایم ۔ ایم ۔ شریف صاحب فرماتے ہیں ۔ ''رومیؒ کی دوسری عظمت سے قطع نظر اقبال نے اسے اس لئے اپنا پیر تسلیم کیا کہ اسے ان خیالات کی اساس رومیؒ کے ہاں میسر آ گئی ۔ جو نٹشے اور برگساں یا وارڈ کے ہاں ہیں '' ۔۴

''رومیؒ اور اقبال صرف ایک منزل پر الگ ہو جاتے ہیں اور وہ تصوف کی منزل ہے ۔ رومیؒ وحدۃ الوجود کا قائل ہے اور اقبال

---

۱ - A study in Iqbal's Philosophy. page 57-58.

۲ - اقبال اور تصوف از خلیفہ صاحب ۔ ماہ نو اپریل ۵۱ء

۳ - ۴ - The Aspects of Iqbal.

وحدۃالشہود کا ۔ اقبال خودی کی انفرادیت کو کسی منزل میں بھی کھونا نہیں چاہتا ۔ ،، ۔ ۱

ڈاکٹر سید عبد اللہ صاحب کا ارشاد ملاحظہ ہو ،، اقبال نے جب فکر کی آنکھ کھولی تو اس وقت مغربی حکمت اور سائنس کا مادہ پرستانہ نظریہ علم و عمل کے ہر پہلو پر غالب آ چکا تھا ۔ کانٹ اور سپنسر کے تصورات ، ہیگل کی جدلیاتی منطق ، ڈارون کا نظریہ ارتقاء ، فرائڈ کے جنسی مسائل ، مارکس کا نظریہ اقتصادیات ، نے مذہب کا اور قدیم تمدن کا رہا سہا وقار و اقتدار بھی ختم کر دیا تھا ۔ اقبال نے انسانی تہذیب کو پھر سے روحانیت سے روشناس کرانے کی شدت سے ضرورت محسوس کی ۔ رومی رح اس دشوار کام میں ان کا مرشد اور محبوب ثابت ہوا ۔ رومی رح کی داستان عشق ، شمس تبریز رح سے والہانہ محبت اقبال کے لئے جاذب نظر ہے ۔ عقل پرستی کے خلاف جہاد کے سلسلے میں بھی رومی رح سے اقبال متاثر ہے ۔ نیز رومی رح کے نزدیک فقر ترک دنیا نہیں ہے ۔ اقبال کو تصوف کا یہ پہلو نہایت پسند ہے اور ان سے بڑھ کر موت اور مرد کامل سے متعلق ان دونوں (رومی اور اقبال) کے نظریات متفق ہیں ۔

،، فرق ۔ اقبال کا نقطہ نظر اپنے دعوے اور تعلیم کے برعکس محض علمی اور نظری ہے ۔ نیز اقبال سارے دعوے کے باوجود استیلا ، جوش اور قوت و تخلیق کا شاعر ہے ۔ اس کے نزدیک تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب بڑی چیز ہے ، مگر اس قدر نہیں ، جس قدر جنگ و پیکار اور خودی کی نمود ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس کے ابلیس کو بعض اوقات یزدان سے کاندھا ملاتے اور چشمک زنی کرتے دیکھتے

---

۱ ۔ مقام اقبال صفحہ ۲۷

ہیں ۔ اقبال کا جذباتی اور فکری پہلو مضبوط ہے مگر رومیؒ جذباتی اور جمالیاتی کیفیتوں کے مالک ہیں ۔ اقبال کی خودی کا تصور انفرادی اور اجتماعی ہے ۔ مگر رومیؒ کے نزدیک خودی کا مفہوم تصوف کے عام معانی کے قریب ہے ۔ اقبال اپنے ماحول کے مرعوب کن تصورات سے یکسر بے نیاز نہیں ہو سکے ۔ ۔ ۔ '' ۔۱

اقبال اور رومی ۔ حکمت اقبال

'' دونوں کا تصور یہی ہے کہ استدلال کے ذریعے ، حیات کی وجدانی حقیقت کی توضیح ممکن نہیں ہے لہذا وجدان کو پسند کرتے ہیں ۔ آرزو اور قوت کے درست استعمال پر زور دینے والے ، جمودی تصوف سے نفور اور عمل کے پرستار ہیں ۔

① (رومیؒ محبت کو اساسی محرک یعنی ولولہ حیات کہتے ہیں ۔ ان کے ہاں جدید افکار کی اساس موجود ہے ۔ تمام اشیاء اپنے منبع کی جانب رواں ہیں ۔ وجود کے سلسلۂ مراتب میں اس کے اپنے پیمانے کے مطابق ہر کمتر چیز دوسری برتر چیز میں فنا ہو جاتی ہے ۔ یہاں حیات ہی حیات ہے ، موت کا وجود نہیں ۔ موت در اصل بلند تر مرتبے تک پہنچنے کا واسطہ ہے ۔ ایک پودا جب غیر نامیاتی مادے کو جذب کر لیتا ہے تو دونوں نشو و نما کے عمل میں برابر ۲ کے شریک ہو جاتے ہیں ۔ محبت افزائش کی اصل اصول ہے ۔ اقبال اور رومی دونوں :

فکر اقبال

الف ۔ وجدان کو پسند کرتے ہیں اور استدلال کو صرف ایک واسطے کی حیثیت دیتے ہیں ۔

---

۱ ۔ (اقبال اور رومی) حکمت اقبال صفحہ ۵۹ تا ۷۱ ۔

۲ ۔ اقبال اس فلسفے کا مخالف ہے ۔ وہ اسے فنا قرار دیتا ہے ۔

ب ۔ دونوں تخلیقی ارتقا کے قائل ہیں جو محبت کے زیر عمل کار فرما ہے ۔

ج ۔ ارادے کو آزاد تسلیم کرتے ہیں ۔

د ۔ تزکیۂ نفس اور تکمیل خودی پر زور دیتے ہیں ۔

ر ۔ انفرادی انا کی بقا کو پسند کرتے ہیں اور عمل سے محبت رکھتے ہیں یعنی دونوں کا فرق ان کے ماحول کا فرق ہے ۔ ۔ ۔ ،، ۔۱

،، رومیؒ نے مردِ مومن کا تذکرہ تصوف کی زبان میں کیا ہے اور علامہ نے دور حاضرہ کی ضروریات کے پیش نظر واضح اور مرتب صورت میں اسے پیش کیا ہے ۔ نیز خودی کے ضمن میں بھی اقبال نے جامعیت سے کام لیا ہے ۔ دونوں کے خیالات کا ماخذ قرآن حکیم ہے ،، ۔۲

اقبال پر لکھنے والے حضرات کے ان بیانات کی روشنی میں اور اپنے مطالعے کی بنا پر راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ اقبالؒ رومیؒ سے عشق کے سلسلے میں نہایت متاثر ہے اور اس پر اس نے مزید غور و فکر کے بعد جس طرح اضافہ کیا ہے اور عشق کو جس نہج و صورت میں کار فرما کرنے کی جانب رہنمائی ہے وہی مقام اقبال کے ہاں زیادہ جاذب نظر اور اس کے تصوف کا ایک رکن ہے ۔ رومیؒ وحدۃ الوجود کا قائل ہے اور اقبال واقعی اس

---

۱ ۔ فکر اقبال ' رومی اور اقبال کا تصور محبت ' صفحہ ۲۲۲—۲۳۹ ۔

۲ ۔ Ibqal His Art and Thought — Page 57—59.

مرحلے پر اپنے استاد سے اتفاق نہیں رکھتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال کے ہاں انسانی عظمت اور برتری کا تصور رومیؒ کے تصور عظمت آدم سے بڑھا ہوا ہے اور اسی تصور کے پیش نظر انھوں نے پہلے عقلی طور پر وحدۃ الوجود کے افکار پر دلائل قائم کی ہیں اور بعد میں انہیں نظری طور پر اس مقام پر عین الیقین حاصل ہوا ہے (ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کا یہ ارشاد کہ ''اقبال کا نقطہ نظر اپنے دعویٰ اور تعلیم کے برعکس محض علمی اور نظری ہے'' درست نہیں ہے۔ علامہ مرحوم کو اپنے دعوے کے لئے کشفی تشفی نصیب ہوئی ہے جس کا تاثر ارمغان حجاز کی صورت میں موجود ہے۔

ابن عربیؒ | رومیؒ کے بعد دوسرا مشہور صوفی شیخ محی الدین ابن عربی ہے جس کے نظریات انسان کامل سے متعلق نہایت مشہور اور قابل مطالعہ ہیں۔ ابن عربی کے نزدیک انسان کامل حقیقتاً ذات واحد کا چھوٹے پیمانے پر نمونہ ہے کیونکہ اس میں خدا کے جملہ اسمائے حسنہ کا ظہور ہوتا ہے۔ سوائے وصل الٰہی کے کاملیت ناممکن ہے۔ اقبال اور ابن عربی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ بہشت و دوزخ مقامات نہیں ہیں بلکہ دوزخ اور بہشت روح اور دماغ کی کیفیات ہیں۔ قرآن میں ان کا بیان ایک حالت شعوری کا ہے جسے انسان اپنے اندر اپنے اعمال کے مطابق محسوس کرتا ہے۔ اگرچہ یہ دونوں اپنے بیان کے انداز میں مختلف ہیں لیکن دونوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ وہ States ہیں Localities نہیں ہیں۔ جنت مقام تفریح نہیں ہے، وہاں تو روح دائمی طور پر عمل کرتے ہوئے مزید مراحل طے کرتی ہے۔

علامه کو رومی رح کے هاں عشق کا اور ابن عربی رح کے هاں انسانی عظمت کا تصور پسند ھے اور ابن عربی کے مسئلۂ وجود پر انھوں نے کڑی تنقید روا رکھی ھے لیکن جہاں تک ان کے افکار سے متاثر ھونے کا تعلق ھے انھوں نے ان سے استفادہ ضرور کیا ھے ۔

الجیلی رح | ابن عربی رح کے بعد ان کا روحانی شاگرد الجیلی رح بڑی نامور شخصیت ھے ۔ اس کے هاں بیان میں پیامبرانہ شان سے زیادہ شاعرانہ انداز کارفرما ھے ۔ ان کا طریق بیان نہایت دقیق ھے اور ان کے مسائل کو کما حقہ سمجھنا نہایت دشوار ھے ۔ بہر حال الجیلی رح وجود حقیقی کی مختلف حالتوں کا جو اس نے خود اختیار کر رکھی هیں (اپنے آپ کو ظہور میں لانے کے لئے) واضح بیان کرتا ھے ۔ اس کا حکمت آفرین کمال اسرار کے اس اظہار میں مضمر ھے کہ ہر لفظ ایک معنی خاص رکھتا ھے اور ہر اسم اپنے مسمیٰ کا مکمل نمائندہ ھے ۔ چونکہ وجود مطلق کئی درجے نیچے آکر انسان کی ذات میں اپنا جمال منعکس دیکھتا ھے لہذا انسان روحانی کشف سے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد وجود مطلق تک پرواز کرسکتا ھے ۔ یہ عمل تین حالتوں پر مشتمل ھے :

۱ ۔ انسان اسمائے الٰہی پر جو اس کے مظہر ھیں غور کرتا ھے ۔

۲ ۔ اس مسلسل سعی سے وہ دائرہ صفات میں داخل ہو جاتا ھے اور صفات الٰہیہ سے متصف ہو کر معجزاتی شان اختیار کر لیتا ھے ۔

۳ ۔ اس کے بعد وہ نور حقیقی کے دائرے میں قدم رکھتا ھے اور انسان کامل بنتا ھے ۔ اب اس کا عمل خدائی عمل ، اس کے

ھاتھ اللہ کے ھاتھ اور اس کے کان اللہ کے کان اور اس کی آنکھیں اللہ کی آنکھیں بن جاتی ھیں اور یہ منتہائے کمال ھے ۔

اور یہی کمال اقبال کو پسند ھے ۔ لہذا اس نے ۱۹۰۲ء میں ایک مفصل مضمون The Indian Antiquary میں انسان کامل پر الجیلیؒ کے خیالات پر بنا رکھتے ہوئے لکھا تھا جو بعد میں انہوں نے اپنی کتاب ''ایرانی مابعدالطبیعات،، میں شامل کرلیا تھا ۔

اقبال تمام وجودی صوفیوں سے مسئلۂ وجود کے سلسلے میں اختلاف رکھتا ھے اور وحدۃ الشہود کا قائل ھے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فیض روحانی کی وجہ سے ھے جس کی تفصیل آئندہ باب میں پیش کی جائیگی ۔ اسی لئے علامہ انسانی وجود کی علٰحدہ حقیقت کو عین وصال الٰہی کے وقت بھی برقرار رکھنے کا طلب گار ھے ۔

اگر نظارہ از خود رفتگی آرد حجاب اولیٰ
نگیرد بامن ایں سودا بہا از بس گراں خواھی

امام غزالیؒ اور علامہ اقبال میں بہت کچھ مشابہت فکر ھے ۔ امام صاحب نے حقیقت کو جاننے کے لئے کشف کو بہت زیادہ اھمیت دی ھے اور کشف و ادراک کو علٰحدہ علٰحدہ تصور کیا ھے اور اس طرح ان میں کوئی مطابقت پیدا نہیں کرسکے ۔ جس پر علامہ نے اعتراض کیا ھے لیکن انھیں غزالی کا یہ فیصلہ نہایت پسند ھے کہ پردۂ اسرار محض وجدان سے ھی چاک کیا جا سکتا ھے ۔

فلسفۂ سخت کوشی کے لئے اقبال نے علامۂ ھجویری حضرت داتا گنج بخش رح اور مشہور عربی فلسفی شاعر ابوالعلا معری کے ھاں اس فلسفے کی سوجودگی کا ذکر کیا ھے ۔ جناب داتا صاحب رح کے تصوف کا کمال انسان کے واصل بحق ھونے کے باوجود سالک کی ذات کی بقا کا متمنی ھے اور یہ بقائے شخصی علامہ کو نہایت پسند ھے اور ان کے نظریۂ تصوف کی ایک مستحکم اساس ھے ۔

زمان و مکان کے مسائل کے لئے علامہ نے ابن حزم ، علامہ جلال الدین دوانی رح ، عراقی رح ، ملا باقر ، اور ابن خلدون کے افکار پر تنقیدی نظر ڈالی ھے ۔ ان کے نزدیک ابن خلدون ، برگسان کا پیشرو ھے اور '' الوقت سیف ،، کا مقولہ امام شافعی رح کے ھاں ، انھیں نہایت پسند ھے جس پر انھوں نے زمان و مکان کے تصورات کی ایک عظیم عمارت تعمیر کی ھے ۔

متذکرہ بالا حکما و صوفیہ کی جماعت میں سے اکثر 'وجودی، ھیں لیکن اقبال شہودی ہے اور ھم نے یہ بھی تسلیم کیا ھے کہ اقبال ان حضرات سے متاثر ھے لہذا ھمارے لئے اس بات کا ثبوت دینا لازمی ٹھہرتا ھے کہ اقبال کا ان حضرات سے یہ اختلاف کیوں ھے ۔

یہ اختلاف نہایت ضروری عواقب و نتائج پیدا کرتا ھے اور یہیں سے فکر و نظر کی ایک وسیع دنیا معرض وجود میں آتی ھے ۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمئی احرار

چھٹا باب

باب عرفان

ہمارے نزدیک اس کمال معنیٰ کی ایک وجہ اقبال کا مجدد الف ثانی رحہ کی تعلیمات سے مستفیض ہونا بھی ہے جنھوں نے علم ظاہر اور باطن کا رخ پھیر دیا اور براہ راست حضرت محمدؐ سے وابستگی کو دین قرار دیا ہے ۔ ان کے نزدیک "تصوف فقط تزکیۂ اخلاق میں مدد دیتی ہے ۔ اور ایمان بالغیب ہی حق ہے ۔ اتباع سنت ہی ارتقائے روحانی کی منزل آخر . . . . "[1] "جن کا مسلک عمل کی دعوت دیتا ہے ۔ اور بے عملی کو دور کرتا ہے ۔ اسلام کی طرف رغبت اور سنت کے اتباع کا داعی ہے ۔ اور غیر اسلامی عناصر سے تصوف کو پاک کرتا ہے "[2] "اقبال نے نوع انسان کی یہ بڑی خدمت کی کہ حقیقی اسلام اور زندہ تصوف میں سے غیر اسلامی عناصر کو چن چن کر الگ کردیا ۔ اگر وہ ہر قسم کے تصوف کا مخالف ہوتا تو عارف رومی کا مرید کیسے بنتا ؟ رومی رحہ جبر کا قائل نہیں ۔ وہ انسان کو با اختیار سمجھتا ہے ۔ اثبات خودی پر اقبال کے تصوف کی بنیاد ہے ۔ صحیح تصوف جو اسلام میں کسی گہری اور باطنی شکل کا نام ہے ۔ اقبال کے افکار و تاثرات میں جابجا نمایاں ہے ۔ مادی اور منطقی عقل اور عشق کا تقابل تصوف کی اساس ہے ۔ اس مضمون میں اقبال نے ایسی گہرائی ، ایسی بلندی اور ایسی وسعت

---

۱ - حضرت مجدد رحہ کا نظریہ توحید صفحہ ۹۱ -

۲ - حضرت مجدد رحہ کا نظریہ توحید (خاتمہ) -

پیدا کی ہے - جس نے آسے سنائیؒ - عطارؒ - اور رومیؒ کی صف میں کھڑا کردیا ہے . . . , ,، ۱-

"اقبال اصطلاحی معنوں میں صوفی یا ولی نہ تھے - لیکن ان کے افکار و احساسات میں صوفیانہ رجحانات ایسے سرایت کرچکے ہیں کہ جو کسی کو ولی بنانے کیلئے کافی ہو سکتے ہیں ،، -۲

"اقبال وحدة الوجود اور فنائی عقیدہ سے بیزار تھا - وہ تصوف رسولیؐ کا قائل تھا جس نے انسان کو اعمال سے ہمکنار ہونا اور باطن کو صاف کرنا اور عمل کرنا سکھایا اور جس سے تقدیر کے صحیح مفہوم کا پتا چلتا ہے ،، -۳

" خودی کا مفہوم تصوف کے عام معانی کے قریب قریب ہے - اقبالؒ اپنے ماحول کے مرعوب کن تصورات سے یکسر بے نیاز نہیں ہو سکے ،، -۴

یہاں ماحول سے بے نیازی - کا تصفیہ کرنے سے کہیں زیادہ ان کے فلسفۂ خودی کے تصوف کے عام معانی سے قریب ہونا ہمارے لئے قابل توجہ ہے - اگر اس قربت کا مفہوم فلسفۂ خودی کو تصوف کے چشمے سے مستفید کرنا ہے تو یہ عین حقیقت ہے اور یہ ماحول کے مرعوب کن تصورات پر فتح مندی کا نشان ہے کہ اقبال نے اپنے

N. D. K. R.

۱- اقبال اور تصوف ماہ نو ۵۱ء - خلیفہ عبدالحکیم صاحب -

۲- 'رومی اور اقبال کا تصور محبت' فکر اقبال صفحہ ۲۲۲ تا ۲۳۹ -

۳- بزم اقبال صفحہ ۱۸۴ -

۴- 'اقبال اور رومی' از سید عبداللہ صاحب مشمولہ حکمت اقبال صفحہ ۷۱ -

ماحول کی مطابقت سے تصوف میں عمل کی روح پیدا کرنی چاہی ھے اور اس کے لئے انھوں نے یقیناً جناب مجدد الف ثانیؒ کے افکار سے اپنے مسلک میں مدد لی ھے۔ لسان العصر اکبر اله آبادی کو لکھتے ھیں۔

”کئی صدیوں سے علما اور صوفیه میں طاقت کے لئے جنگ ھو رھی تھی - جس میں آخرکار صوفیه غالب آئے - یہانتک که اب برائے نام علما جو باقی ھیں - جب تک کسی خانواده میں بیعت نه لیتے ھوں - ھر دلعزیز نہیں ھوسکتے - یه روش گویا علما کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ھے - مجدد الف ثانیؒ عالمگیرؒ اور مولانا اسمٰعیل شهیدؒ نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی - مگر صوفیهٔ کی کثرت اور صدیوں کی جمع شده قوت نے اس گروه احرار کو کامیاب نه هونے دیا ،، ۔۱

یہاں علامه نے مجدد الف ثانیؒ کو صوفیه کے زمرے سے علٰحده کرکے انھیں گروه احرار کا کاروان سالار تسلیم کیا ھے ، جس سے ان کی مراد یه ھے که تصوف کے مروجه طریق و فکر سے ان حضرات کو اتفاق نہیں تھا اور اس میں ھمارے لئے یه نکته موجود ھے که علامه نے ان کے نظریۂ تصوف کو قابل عمل اور حریت فکر و نظر کا نشان سمجھا ھے۔

صاحب نظر جانتے ھیں که عالمگیر اورنگ زیب ، جناب مجدد الف ثانیؒ سے نہایت متاثر تھے اور ان کا طریق اصلاح مجددؒ سے بالواسطه تعلق پر مبنی ھے اور اسماعیل شهیدؒ بھی ان سے

---

۱ - اقبال نامه جلد ۲ صفحه ۳۹ -

چند واسطوں سے متعلق ھیں ۔ " حضرت مجدد رح کے زیر اثر سید احمد بریلوی رح نے شاہ عبدالعزیز رح سے دھلی جا کر بیعت کی ۔ تصور شیخ کے سلسلے میں اسے ترک سمجھ کر شیخ سے اختلاف کیا ۔ بعد میں خود شیخ کو ان کے مرید ہونے کی خواھش ھوئی ۔ شاہ اسماعیل رح جو شیخ کے عزیز تھے ۔ ان کے مرید ھوگئے "۔ ۱

تین سو سال سے ھیں ھند کے میخانے بند
اب مناسب ھے ترا فیض ھو عام اے ساقی

کا مفہوم دریافت کرتے ھوئے میاں بشیر احمد اڈیٹر ھمایوں سے علامہ نے کہا یہ شیخ احمد مجدد الف ثانی رح سرھندی کی طرف اشارہ ھے کہ مسلمانان ھند کے سب سے زبردست رھنما گزرے ھیں "۔ ۲

اس سے یہی ثابت ھوتا ھے کہ علامہ کا حضرت مجدد رح سے گہرا تعلق باطنی ھے ۔ کم نظر لوگ یہ دھوکا کھا جاتے ھیں کہ علامہ اپنے والد سے قادری سلسلے میں بیعت رکھتے تھے ۳ اور مجدد الف ثانی رح کا سلسلہ نقشبندی ھے ، لہذا ان کا تعلق مشتبہ ھوجاتا ھے ۔ یہ ایک ایسا خیال ھے جو سلسلوں کی حقیقت اور ان کے باھمی ربط کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ھے ۔ مولانا شاہ ولی اللہ رح نے اس مسئلے پر ھمعات ۴ میں تفصیل سے بحث کی ھے کہ ایک سلسلے میں بظاھر منسلک ھونے کے باوجود ایک سالک دوسرے سلسلوں کے شیوخ سے فیض حاصل کرتا رھتا ھے ۔

---

۱ - نظریہ توحید ۔

۲ - ملفوظات اقبال صفحہ ۳۷ ۔

۳ - یہ بات ابھی تک تحقیق طلب ھے ۔

۴ - تصوف کی حقیقت .... ترجمہ محمد سرور صاحب ۔

شیخ محمد اکرام صاحب نے اپنی کتاب رود کوثر مین اس تعلق پر روشنی ڈالی ھے اور ھم اکرام صاحب کے ان مندرجات سے جو انھوں نے مجدد الف ثانی رح اور تصوف کے کشف کے سلسلے میں پیش کئے ھیں، شدید اختلاف رکھنے کے باوجود ان کے اس حصہ بحث کو ایک حد تک صحت پر مبنی قرار دیتے ھیں - لکھتے ھیں :

"کسی وقت سرالوصال کی رہنمائی مفید ھوتی ھے اور کسی وقت سرالفراق کی (علامہ اقبال نے حسن نظامی کے نام خط میں اپنے لئے سرالفراق کا خطاب پسند کیا تھا اور یہ حضرت مجدد کی پیروی میں ھے) یا تصوف کی اصطلاح میں یوں سمجھیے کہ کوئی وقت شان جمالی کا ھوتا ھے اور کوئی وقت شان جلالی کا - یہی وجہ ھے کہ امام الہند شاہ ولی اللہ رح نے جو ھمارے سب سے باریک بین و معاملہ فہم عالم ھوئے ھیں وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشھود کو ھم آھنگ کرنے کی کوشش کی - اور آفندی کے نام ایک طویل عربی خط میں شیخ اکبر اور شیخ مجدد کے خیالات کی تطبیق۱ کی - شاہ صاحب نے دیکھا ھوگا کہ ایک اصول ھے اخذ و انجذاب کا اور دوسرا فلسفہ ھے تطھیر و تزکیہ کا - ایک کے پیرو مشابہتوں اور یک رنگیوں کو دیکھتے ھیں اور دوسروں کی نظر اختلافات پر پڑتی ھے - ابن عربی رومی غزالی ، اور دارا شکوہ ، عیسائی نو فلاطونی ، اور ھندو فلسفوں اور طریقوں کو کھنگالتے ھیں - اور دیکھتے ھیں کہ ان میں کون سی چیز اچھی ھے - اور اخذ کی جا سکتی ھے - لیکن ابن تیمیہ رح ابن عبدالوھاب رح ، مجدد الف ثانی رح ، اقبال رح اور اورنگ زیب رح ان

۱- اھل نظر کے نزدیک یہ تطبیق بے معنی ھے - وحدت الوجود ، شہود کی منزل تک پہنچنے والوں کے لئے راستے کا ایک مقام ھے -

چیزوں کو اسلام کی کسوٹی پر کستے ہیں ۔ تا کہ جو چیز کڑے شرعی معیار پر پوری نہ اترے اسے رد کردیا جائے ۔ اگر پہلا گروہ نہ ہو تو اسلامی خیالات اور فلسفہ کی نشو و نما ختم ہوجائے ۔ دماغ ایک محدود اور تنگ دائرے سے باھر نہ نکلے ۔ اور خیالات میں وسعت اور لچک نہ رہے ۔ اگر دوسرا گروہ اپنا کام بند کر دے ۔ تو ہر رطب ویابس ، بلکہ ملحدانہ اور مضر خیالات قبول کرلئے جائیں ۔ اور قوم کا نہ صرف شرعی بلکہ فکری اور روحانی نظام درھم برھم ہوجائے ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ اسلام کی تاریخ میں دونوں اصول کار فرما رہے ہیں ،، ۔۱

انھوں نے نواب سر احمد حسین نظام جنگ بہادر کی کتاب ”فلسفۂ فقرا ،، سے ذیل کی عبارت نقل کرکے دونوں گروھوں کے فرق کو واضح کیا ہے ۔ (صفحہ ۱۹۶)

وحدت الوجود (ھو الکل)	وحدت الشھود ۔ (ھو الھادی)
نظریہ : ھمہ اوست ، یا اندر ھمہ اوست	نظریہ : ھمہ ازوست
رجحان تصوف: سکون کی طرف مائل میں اور وہ جدا نہیں (وہ دریا تو میں قطرہ ھوں)	رجحان تصوف : جوش کی طرف مائل اس کے ساتھ میں اور میرے ساتھ وہ ہے
وصل	عشق
اعتقاد : میں کون ؟ انا الحق عارف)	اعتقاد : میں کون ؟ ۔ انا عبدہ ، (عاشق)

۱ ۔ رود کوثر صفحہ ۱۹۸—۱۹۹ ۔

اس میزان سے اقبال کا مجدد الف ثانی رح سے متعلق ہونا واضح ہوتا ہے - اقبال کا مسلک عشق کا مسلک ہے یا ان کا تصوف

سکون پرستی راہب ہے فقر ہے بیزار
فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی

کی ہم نوائی کرتا ہے ان ہی وجوہات کی بنا پر انہوں نے افلاطون اور حافظ کے مسلک پر اعتراض کیا تھا - اگرچہ اس اعتراض کا موضوع ایک لٹریری نصب العین کی تنقید تھا - لیکن ان سے علامہ کا عام اختلاف عمل اور سکون کے فلسفے اور حکمت کی وجہ سے ہے اور ان کا مزاج شروع سے صوفیانہ تھا - جس میں تجربہ اور فکر و نظر کے ساتھ ساتھ جوش و خروش کا اضافہ ہوتا گیا - ۱۳ اگست ۱۹۱۸ء کے ایک مکتوب میں اپنے والد صاحب سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں : ”پرسوں شام کھانا کھا رہے تھے اور کسی عزیز کا ذکر کر رہے تھے - جس کا حال ہی میں انتقال ہوگیا تھا - دوران گفتگو میں کہنے لگے - ’معلوم نہیں بندہ اپنے رب سے کب کا بچھڑا ہوا ہے‘ - اس خیال سے اس قدر متاثر ہوئے کہ قریباً بے ہوش ہوگئے - اور رات دس گیارہ بجے تک یہی کیفیت رہی - یہ خاموش لیکچر ہیں جو پیران مشرق سے ہی مل سکتے ہیں - یورپ کی درسگاہوں میں ان کا نشان نہیں ،، -

ان کے اس رجحان کا کمال ارمغان حجاز ۱ میں واضح ہوتا ہے لیکن یوسف سلیم صاحب چشتی اس امر پر مصر ہیں کہ

---

۱ - ان دنوں علامہ کو حضوری نصیب ہوچکی تھی اور اس کا ثبوت ارمغان کا ایک ایک شعر دے سکتا ہے -

علامہ اقبال وجودی تھے ۔ ” اقبال آخری عمر میں وحدت الوجود کے قائل ہوگئے تھے اور ایسا ہونا کوئی خلاف توقع یا حیرت انگیز بات نہیں ہے ۔ خدا کو ماننے والا فلسفی آخر وجودی ہو ہی جایا کرتا ہے اور اقبال کی سرشت ہی صوفیانہ تھی“ ۔۱ یوسف سلیم صاحب کا یہ کہنا کہ خدا کو ماننے والا فلسفی آخر وجودی ہو ہی جایا کرتا ہے ۔ درست ہے لیکن اقبال محض فلسفی نہ تھے وہ اس کے ساتھ ساتھ صوفی بھی تھے ۔ نیز یوسف سلیم صاحب اس حقیقت کو کیوں نظر انداز کرتے ہیں کہ صوفیانہ منازل سلوک میں وحدۃ الوجود کے بعد شہود کی منزل آتی ہے اور شہود کے بعد وجودی ہونے کی سلوک میں قطعاً گنجائش نہیں ہے ۔ ”حضرت مجدد نے پہلے مقام میں وحدۃ الوجود کو بہت عرصے تک پسند کیا ۔ بعد میں ظلیت کے مقام پر بھی انہیں اس عقیدے سے رغبت رہی لیکن مقام عبدیت پر پہنچ کر انہیں اپنی اس غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے وحدۃ الوجود کے انکار کا مدلل اعلان کیا“ ۔ نیز وحدۃ الوجود سے گزر کر سالک دوبارہ اس مقام کو نہیں لوٹ سکتا اور اس پر اپنے سابقہ مکشوفات کی غلطی واضح ہو جاتی ہے“ ۔۲ یوسف سلیم صاحب نے سب سے بڑی غلطی یہ کی ہے کہ وہ ان دونوں نظریوں میں کوئی فرق ہی نہیں پاتے ۔ ان کے نزدیک در اصل ابن عربی اور مجدد صاحب کے نظریے میں کوئی بنیادی یا اصولی اختلاف یا فرق نہیں ہے ۔ میری رائے ناقص میں مجدد رح صاحب نے متکلمین کے اعتراضات سے بچنے کے لئے تعبیر میں قدرے تغیر کرکے اعتباری دو وجود قائم کر دئے ۔ یعنی ایک حقیقت عالم ،

---

۱ - شرح ارمغان حجاز صفحہ ۱۸ ۔

۲ - حضرت مجدد کا نظریہ توحید صفحہ ۷۶ ، ۹۰ ، ۱۰۱ ۔

دوسرا حقیقت معلوم . . . آج تک دوسرا ابن عربی تو پیدا نہیں ہوا ،،۔۱

یوسف صاحب نے یہ بات راقم الحروف کی رائے میں شاہ ولی اللہ رح کے تتبع میں کہی ہے۔ لیکن اپنی طرف سے اس پر ناگوار اضافہ بھی کردیا ہے اور انہیں اس امر کا احساس نہیں ہو سکا کہ یہ مسئلہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔

ڈاکٹر برہان الدین احمد فرماتے ہیں : ،، شاہ ولی اللہ رح نے شیخ مجدد رح اور ابن عربی رح کے عقائد کے ضمن میں کہا ہے کہ مجدد کو تسامح ہوا ہے۔ ان دونوں کا مذہب وہی ہے اور نزاع محض لفظی ، وحدت الشہود سے مراد صرف یہ ہے کہ واجب کے کامل ہونے پر اور ممکن کے ناقص اور ہیچ ہونے پر اصرار کیا جائے۔ ابن عربی بھی یہی کہتے ہیں کہ ممکن ناقص اور ہیچ ہے اور کمال فقط ذات واجب کو ہی حاصل ہے ،، ۔۲

حضرت شاہ ولی اللہ کا مرتبہ نہایت بلند ہے۔ شبلی نعمانی نے تاریخ علم الکلام میں لکھا ہے کہ ،، ابن تیمیہ رح اور ابن رشد رح کے بعد بلکہ خود ان ہی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا ، اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانے میں جب کہ اسلام نفس باز پسیں تھا ۔ شاہ ولی اللہ رح جیسا شخص پیدا ہوا ۔ جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی رح رازی رح اور ابن رشد رح کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے ،، ۔

۱ - شرح ارمغان حجاز صفحہ ۲۸ -

۲ - نظریہ توحید صفحہ ۱۲۱ -

خود علامہ نے بھی ''اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل جدید،، میں شاہ ولی اللہ رح کی عظمت فکر کا اعلان و اقرار کیا ہے ، لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئیے کہ شاہ ولی اللہ کا محولہ بالا فیصلہ ان کے زمانے میں یا بعد میں قبول کر لیا گیا ۔ بلکہ اس کا شدید رد عمل ہوا ۔

'' مرزا مظہر علی جان جانان کی ایماء پر ان کے مرید مولوی غلام یحییٰ نے علی الاعلان شاہ ولی اللہ رح کی تردید رسالہ ''کلمۃ الحق،، میں کی ۔ اس کے بعد شاہ رفیع الدین (شاہ ولی اللہ رح کے صاحبزادے) نے 'دمغ الباطل' میں مولوی غلام یحییٰ کی تردید کی ۔ اس کے بعد سید احمد بریلوی '' نے حضرت مجدد رح کے نظریہ کی تصدیق کی ،، شاہ ولی اللہ رح کا حضرت مجدد رح سے یہ اختلاف نظریاتی ہے ۔ ورنہ '' انہوں نے مجدد الف ثانی رح کو ارہاص تسلیم کیا ہے ۔ امام ربانی '' نے جو کام شروع کیا تھا ۔ امام ولی اللہ رح نے اس کو مکمل کر دیا ،، ۔ ۱

یوسف سلیم کے اس بنیادی تصور نے ان کی خدمت اقبال رح کو غیر موثر بنا دیا ہے ان کی شرحیں اسی وجہ سے بے اثر ہو گئی ہیں ۔ ان میں سکون و جمود اور غیر ضروری ٹھہراؤ پیدا ہو گیا ہے اور اصل یعنی متن (کلام اقبال) کے مفہوم سے ان کی تشریح اکثر مقامات پر بہت دور چلی گئی ہے اور اقبال رح کا مطلب فوت ہو گیا ہے ۔

اقبال رح وحدۃ الوجود کے قائل ہوتے تو راقم الحروف کو یہ یقین ہے کہ وہ منصور رح کی طرح انا الحق پکار اٹھتے ۔ نیز ان کے

۱- نظریۂ توحید ۔ صفحہ ۱۲۸ ۔

ھاں فلسفہ خودی ، عمل ، عشق اور وصال الٰہی کے وقت انسان کا اپنی ھستی کو برقرار رکھنے کا نظریہ اور دور حاضرہ سے جنگ کی کیفیت کالعدم ھوتی - جاوید نامہ (صفحہ ۲۱۸) میں 'زندہ رود رخصت مے شود از فردوس بریں و تقاضائے حوران بہشتی ، کا باب اس امر پر شاھد ھے - نیز ان کا انسانی عظمت کا تصور بنیادی طور پر اسی شہودی نظریے سے متعلق ھے -

اقبالؒ کے نظریات کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش نہ کرنے کی وجہ سے اس ضمن میں کئی غیر متعلق بحثیں معرض وجود میں آئی ھیں اور صوفیہ کا ایک طبقہ اقبالؒ سے بدگمان بھی رھا ھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ علامہ نے ابتدا میں تصوف کے جمود سے برھم ھو کر اس کے متعلق سخت الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا - وہ سید سلیمان کو لکھتے ھیں -۱

"اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوف کا وجود سر زمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ھے - جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ھوا میں پرورش پائی ھے" نیز سراج الدین پال کو لکھا : "تصوف کا سب سے پہلا شاعر عراقی اور سب سے آخری شاعر حافظ ھے - یہ حیرت کی بات ھے کہ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولیٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ھوئی - اور ھونا بھی یہی چاھئے تھا - خود ھندوستان کے مسلمانوں کو دیکھئے کہ ادبیات کا انتہائی کمال لکھنؤ کی مرثیہ گوئی پر ختم ھوا . . . ان شعرا نے نہایت عجیب و غریب اور بظاھر دلفریب طریقوں سے شعائر اسلام کی تردید و تنسیخ کی ھے - اور اسلام کی ھر محمود شے کو مذموم

---

۱ - اقبال نامہ جلد نمبر ۱ صفحہ ۴۸ -

قرار دیا ھے ، اگر اسلام افلاس کو برا کہتا ھے ، تو حکیم سنائیؒ افلاس کو اعلیٰ درجے کی سعادت قرار دیتا ھے ، اسلام جہاد فی سبیل اللہ کو حیات کے لئے ضروری سمجھتا ھے ، تو شعرائے عجم اس شعائر اسلام میں کوئی اور معنی تلاش کرتے ھیں،، ۔ ۱)

علامہ کی ان تحریروں میں غیر اسلامی بات کا نام و نشان نہیں ھے ۔ ھاں یہ بات ضرور ھے کہ علامہ نے اپنی مزید ترقی مطالعہ کے ساتھ ساتھ سنائیؒ وغیرہ سے متعلق اپنے نظریات میں نمایاں تبدیلی کر لی اور اس امر کی شہادت ان کی مشہور و طویل نظم ،، ما از پئے سنائی و عطار آمدیم ،، کے عنوان سے ھے ۔۲ جس میں حکیم ھی کے ایک قصیدے کی پیروی کی گئی ھے اور جس کا آخری شعر بڑے کام کا ھے :

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ھیں لاکھوں لولوئے لالا

اور مثنوی مسافر میں ،،سفر بہ غزنی و زیارت مرزا حکیم سنائیؒ ،، کے عنوان سے ان کے خیالات نہایت واضح ھیں اور حکیم مذکور کے لئے ان کے ھاں قابل احترام جذبات کا پتا چلتا ھے :

آں حکیم غیب آں صاحب مقام
،، ترک جوش،، رومیؒ از ذکرش تمام
من ز پیدا آو ز پنہاں در سرور
ھر دو را سر مایہ از ذوق حضور (۳۰۲)

---

۱ - اقبال نامہ جلد نمبر ۱ صفحہ ۳۶ - مکتوب ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء -
۲ - صفحہ ۳۷ تا ۴۱ ، بال جبریل -

جب علامہ ذوق حضور کے سرمایے سے بہرہ ور ہوئے تو انھوں نے رومی رح کے زیر اثر حکیم سنائی رح کی عظمت کا اعتراف کرلیا ۔ لیکن ان کے مذکورہ بالا خیالات جو ایک آدھ مکتوب میں ملتے ھیں عام لوگوں اور بالخصوص اکبر الہ آبادی کو بہت ناگوار گزرے اور انھوں نے بعد کے زمانے کے ان خیالات کو درخور اعتنا نہ سمجھا ۔

اسلم جیراجپوری کو علامہ نے لکھا : " تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ھے اور یہی مفہوم قرون اولا میں ، اس کا لیا جاتا تھا ۔ تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا ۔ ھاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ھے ۔ اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم ، حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ھے ، تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ھے " ۔[1]

آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ اقبال رح کا یہ نظریہ مجدد الف ثانی رح کے نظریے سے کتنا ملتا جلتا ھے ۔ جن کے نزدیک " تصوف فقط تزکیہ اخلاق میں مدد دیتی ھے اور ایمان بالغیب ھی حق ھے . . . " ۔

خواجہ غلام السیدین کو لکھتے ھیں : " روحانیت کا میں قائل ہوں ۔ مگر روحانیت کے قرانی مفہوم کا جس کی تشریح میں نے ان تحریروں میں جا بجا کی ھے ۔ اور سب سے بڑھ کر اس فارسی مثنوی میں جو عنقریب آپ کو ملے گی ۔ جو روحانیت میرے

۱ - صفحہ ۵۳ تا ۵۴ اقبال نامہ جلد نمبر۱ ۔

نزدیک افیونی خواص رکھتی ھے ۔ اس کی تردید میں نے جا بجا کی ھے ۔ ۔ ۔ ،، ۔ ۱

صاحب نظریہ جانتے ھیں کہ اقبالؒ کا مسلک درست اور ان کے اس روپے کی مجدد الف ثانیؒ کے نظریات کی روشنی میں تصدیق ھوسکتی ھے ۔ میرے خیال میں اس وقت کے مشہور ادیب، علامہ کی بڑھتی ھوئی مقبولیت کو حریفانہ نظروں سے دیکھتے تھے ۔ اس لئے اکبر الہ آبادی نے علامہ کی اس معاملے میں بڑی مخالفت کی ھے ۔ علامہ ۲۰ جولائی ۱۹۱۸ء کو انہیں لکھتے ھیں :

” زیادہ کیا عرض کروں ۔ سوائے اس کے کہ مجھ پر عنایت فرمایئے ۔ عنایت کیا رحم کیجئے ۔ اسرار خودی کو ایک دفعہ پڑھ جایئے ۔ جس طرح منصورؒ کو شبلیؒ کے پتھر سے زخم آیا اور اس کی تکلیف سے اس نے آہ و زاری کی ۔ اسی طرح مجھ کو آپ کا اعتراض تکلیف دیتا ھے ،، ۔ ۲

بڑے افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کیا جاتا ھے کہ اکبر الہ آبادی اور خواجہ حسن نظامی کی بے وقت اور شدید مخالفت نے علامہ کے خیالات کی درست اور مناسب ترجمانی کے راستے میں شدید رکاوٹیں پیدا کردیں اور ۱۹۱۸ء میں انہیں جس طرح تصوف کا دشمن قرار دیا گیا ، اس کا اثر آج تک قائم ھے ، اور پوری طرح زائل نہیں ھو سکا ۔

---

۱ - اقبال نامہ جلد نمبر ۱ صفحہ ۳۱۹ -

۲ - اقبال نامہ جلد نمبر ۲ صفحہ ۶۲ -

اس تمام کوفت اور پریشانی کی وجہ اسرار کی مخالفت تھی ۔ اقبال رح نے اس مثنوی میں اسلام کی صحیح سپرٹ کو واضح کرنا چاہا تھا ۔ ''ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں ان کو عربی اسلام اور اس کے نصب العین اور غرض و غایت سے آشنائی نہیں ۔ ان کے لٹریری آئیڈیل بھی ایرانی ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں ۔ جس کی اشاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے منہ سے ہوئی ۔ صوفی لوگوں نے اسے تصوف پر ایک حملہ تصور کیا ہے اور یہ خیال کسی حد تک درست بھی ہے ۔ انشاء اللہ دوسرے حصے[۱] میں دکھاؤنگا کہ تصوف کیا ہے اور کہاں سے آیا اور صحابہ کرام رح کی زندگی سے کہاں تک ان تعلیمات کی تصدیق ہوتی ہے جس کا تصوف حامی ہے'' ۔[۲]

اس مثنوی میں حافظ شیرازی پر اعتراض تھے ۔ اس پر صوفیا کا ایک طبقہ اقبال رح کے مخالف ہو گیا اور انھوں نے اقبال رح کے خلاف بڑے شور اور ہنگامے کے ساتھ ایک تحریک شروع کر دی ۔ اس میں علامہ کے دوست خواجہ حسن نظامی پیش پیش تھے ۔ پیر زادہ مظفر احمد فضلی کی مثنوی راز بے خودی جو زہر چکانی اور کیچڑ اچھالنے کا نادر نمونہ ہے ، اسرار کے جواب میں لکھی گئی ۔ جس میں اقبال رح پر الزامات ہیں ۔ انھیں دشمن اسلام ، اور رہزن کے خطابات سے سرفراز کیا گیا ہے ۔ اقبال رح کے حامیوں نے اس تحریک کا جواب دیا اور اس سلسلے میں اسلم جیراج پوری کا ایک

---

۱ - رموز میں علامہ نے اس سے بحث نہیں کی ۔

۲ - اقبال نامہ صفحہ ۴۳ جلد ۱ ۔

مضمون قابل ذکر ہے ، جس میں فضلی کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے ۔ اس مضمون میں مولینا اسلم نے اقبالؒ کی حمایت کے ساتھ ساتھ اس پر تنقید بھی کی ہے ۔

بہر حال علامہ نے مثنوی کی دوسری اشاعت پر خواجہ حافظ کے بارے میں جو اشعار تھے وہ نکال دئے ۔ ۴ فروری ۱۹۱۶ء کو ایک مکتوب میں لکھتے ھیں : ”میں تصوف کی تاریخ پر ایک مسبوط مضمون لکھ رہا ھوں ۔ جو ممکن ہے کہ ایک کتاب بن جائے ۔ چونکہ خواجہ . . . نے عام طور پر اخباروں میں میری نسبت یہ مشہور کر دیا ہے کہ میں صوفیاء سے بد ظن ھوں ۔ اس واسطے مجھے اپنی پوزیشن صاف اور واضح کرنی ہے ورنہ اس طویل مضمون کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی“ ۔۱

پیشتر اس کے کہ اقبالؒ کے مسلک تصوف کی مزید وضاحت کریں ، ہم چند اقبالئین کی تحریروں کا مختصر ذکر کریں گے تا کہ اس طرح دوسرے نقطۂ نظر سے بھی اس موضوع پر روشنی پڑ سکے اور بات واضح ھو جائے ۔

عبد المالک صاحب رقم طراز ھیں :

”فلسفہ شعر اور تصوف کی مرابطت کے متعلق صوفیا کے تذکرے نہایت اھمیت رکھتے ھیں . . . فلسفہ ، تصوف اور شعر کا یہی قدرتی ربط ہے جس نے اقبالؒ کو صرف شاعری کی منزل پر ٹھہرنے نہ دیا بلکہ ان کو تخیلی صوفی اور عمیق النظر مفکر بنا دیا “ ۔۲

---

۱ - اقبالنامہ جلد ۲ صفحہ ۵۲ -

۲ - اقبال کی شاعری - عبدالمالک صفحہ ۳۹ -

" یه اشعار اسرار سے علامہ نے نکال دئے ۔ وہ صلح پسند تھے
ان میں حافظرح کی ذات یا تصوف پر حملہ نہیں تھا ۔ مسلک نفی خودی
پر حملہ تھا " ۔ ۱

" اقبالرح اسلامی کاروان کا سالار ہے جس کی منزل مقصود
حرم محترم ہے ۔ افلاطون اس پرندہ صبح کی مانند ہے جو ایک اثیری
دنیائے خواب و خیال میں پرواز پر قانع ہے ۔ برخلاف اس کے اقبالرح
ایک بحری عقاب ہے جو بحرحیات کی طوفان خیز موجوں پر سوار ہے ۔
اقبالرح کا فلسفہ خودی اور عمل کا فلسفہ ہے، حافظرح کا دیوان بصیرت
سے زیادہ سکر آور ہے ۔ بلا ریب سقراط رح کی مانند حافظ رح بھی
مخرب الاخلاق نہیں ۔ تاہم وہ ان کے خراب کرنے میں ممد و معاون
ضرور ہوا ہے ۔ اقبالرح کا حملہ دراصل اسی 'اپیکوری رو' کے
خلاف ہے " ۔ ۲

" بیرونی اثرات ، افلاطونی فلسفہ ، اور ویدانت کے فلسفہ نے
اسلامی فلسفہ کی روح کو مسخ کر دیا اور مسلمانوں پر تصوف کا
رنگ غالب آگیا ۔ اسلام کا اساسی اصول توحید ہے ، اور تصوف کی
بنیاد ہمہ 'اوست' کے نظریے پر ہے ۔ توحید مثبت ہے اور
"ہمہ اوست" منفی " ۔ ۳

عبدالرحمٰن بجنوری نے اقبالرح کے مسلک کا کچھ نہ کچھ مطالعہ
ضرور کیا ہے ۔ اگرچہ وہ تصوف کی اصل سے ناواقف نظر آتے ہیں ۔

---

۱ - بزم اقبال صفحہ ۱۰۷ -
۲ - عبدالرحمان بجنوری ، سیرت اقبال صفحہ ۱۵۱/۱۵۰ -
۳ - سیرت اقبال صفحہ ۱۳۸ -

شیخ محمد اکرام کی تنقید ملاحظہ ہو :

"آج کچھ وہابی اثرات کچھ اقبالؒ کی مخالفت اور بڑی حد تک مادیت کی فتح سے تصوف اور بھی بدنام ہوگیا ہے۔ اور مذہبی اعتراضات سے قطع نظر اسے بعض سہل انگار قومی زوال کا بڑا سبب قرار دیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ تصوف، بالخصوص عجمی تصوف، نے بسا اوقات ان زمانوں میں فروغ پایا۔ جب دنیوی نقطۂ نظر سے قوم رو بزوال تھی۔ لیکن غالباً ان زمانوں میں تصوف کی مقبولیت، قومی زوال اور پریشان حالی کا نتیجہ تھی سبب نہ تھی"۔۱

"نظریہ خودی جسے اقبالؒ نے اپنایا ہے نیا نہیں بلکہ 'سے دربادۂ نو' کا مصداق ہے۔ اس نظریے کے پہلے مبلغ میرے نانا کے رہبر الحاج سید گل حسنؒ تھے۔ (مولف تذکرہ غوثیہ و تعلیم غوثیہ) ان کے ارشادات اور شاعرانہ نکات کا بھی اقبال پر اثر پڑا ہے :

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبحگاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی

"تعلیم غوثیہ" میں ہے کہ طوبائے شریعت پر صوفیوں کی نغمہ سرائی، طائران سدرہ کی زمزمہ سنجی سے بالا تر ہے۔ "خودی میں خدائی و رعیت میں بادشاہی" کے مزے جو صوفیوں نے لوٹے، دوسروں کو خواب میں بھی نصیب نہ ہوئے۔ یہ کتاب ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی"۔۲

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۳۶۰ -

۲ - اقبال کے تصوف خودی کا ماخذ - بشر مخفی - معارف ستمبر ۱۹۶۵ء -

اسرار ۱۹۱۴ء میں شائع ہو چکی تھی - اس لئے یہ ماخذ ثابت کرنا ذرا دشوار ھے ، اگرچہ علامہ کا امرتسر میں جوگندر سنگھ کے ھمراہ جا کر سید گل حسن شاہ صاحب رح سے ملاقات کرنا ثابت ھوتا ھے -

اقبال کے نظریۂ عشق پر لا تعداد مضامین و مقالات لکھے گئے ھیں - چند ایک کے اقتباسات پیش کئے جاتے ھیں :

"عشق اگرچہ عربی لفظ ھے لیکن قرآن و حدیث اور شعرائے جاھلیت کے کلام میں یہ لفظ نظر نہیں آتا - متاخرین شعرائے عرب نے بھی اس لفظ کو بہت کم استعمال کیا ھے اور عشق کی وہ اھم خصوصیات جو فارسی شاعری میں نظر آتی ھیں ، ان کا تو عربی شعرا کے کلام میں وجود ھی نہیں ھے . . . ھمارا خیال ھے کہ سب سے پہلے عشق اور عشق کی تمام خصوصیات کو فلسفۂ اشراق نے نمایاں کیا اور ان کو نہایت اھمیت دی - اشراقیوں کے نزدیک نظام عالم قہر و مہر کی بنیاد پر قائم ھے - شیخ الاشراق حکمۃ الاشراق میں لکھتے ھیں کہ ھر بلند نور کو نیچے کے نور پر غلبہ و اقتدار حاصل ھے اور نیچے کا نور بلند نور سے محبت رکھتا ھے اور اس قہر و مہر سے نظام عالم کا وجود وابستہ ھے - سب سے مفصل اور عام فہم مضمون اس پر ارباب اخوان الصفا نے لکھا ھے . . ." - ۱

اور اس سے انھوں نے اقبال کے فلسفۂ عشق پر بھی نظر ڈالی ھے ، یہ تحقیق واقعی غور طلب ھے لیکن ھمیں عشق کے لفظ سے کہیں زیادہ عشق کے اس مفہوم سے واسطہ ھے ، جو اقبال کی شاعری

---

۱ - معارف جنوری ۱۹۳۷ء (عبدالسلام ندوی) صفحہ ٦-٧ -

میں جوش و استبلا اور جذب کا مفہوم رکھتا ھے ۔ پروفیسر محمد اکبر منیر صاحب نے اپنی کتاب قرآنی تصور عشق ۱ میں اس امر پر روشنی ڈالتے ھوئے ' ان اللہ یحب المحسنین ' اور ' و الذین آمنوا اشد حباً للہ ' سے استدلال کیا ھے ۔ گویا اقبال نے عشق کا تصور رومی رح سے لیا ھے اور رومی رح نے قرآن سے لیا ھے ۔ اخوان الصفا (فرقہ باطنیہ کے رسائل چوتھی صدی ھجری) کے رسائل سے اسے کوئی واسطہ نہیں ھے ۔

ممتاز حسین صاحب نے اپنی کتاب نئی قدرین میں ' اقبال اور تصوف ' کے زیر عنوان عبدالسلام صاحب کے اس خیال کو یوں دھرایا ھے : " تیسری اور چوتھی صدی ھجری میں تصوف کی تحریک میں ایک بنیادی فرق پیدا ھوا ۔ ان صدیوں میں اگر ایک طرف اخوان الصفا نے اپنے رسالوں کے ذریعے یونانی علوم کی ترویج کی تو دوسری طرف دستکاروں کا طبقہ بھی آگے بڑھا ، چنانچہ نتیجہ یہ ھوا کہ اب اس کی قیادت دستکاروں کے ھاتھ میں پہنچ گئی ، حسین بن منصور حلاج اور ابوبکر شبلی دونوں کا تعلق اسی طبقے سے تھا ۔ دستکار طبقے نے اس تحریک کو اس لئے اپنایا کہ اس میں اسلامی مذھب اور یونانی علوم دونوں کا امتزاج پیدا ھو گیا اور چونکہ یونانی علوم کا تعلق میکانکس ، سائنس اور کیمیا سے بھی تھا ، اس لئے یونانی علوم کی ترویج دستکار طبقے کے خاص مفاد میں تھی - یہی وہ راستہ تھا جس کے ذریعے ان کی صنعت اور دستکاری ترقی کر سکتی تھی . . . " ۔۲ حلاج رح اور شبلی رح کے مقام کے شناسا

---

۱ - غیر مطبوعہ - راقم الحروف نے اس کا مسودہ دیکھا ھے ۔

۲ - نئی قدرین صفحہ ۲۱۶ - دسمبر ۱۹۵۳ء -

لوگ اس ” نادر تحقیق “ کو بوالعجبی نہ کہیں تو کیا کریں ممتاز صاحب نے جن ” حقائق “ کا ذکر کیا ہے ، ان سے ان کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جس پر ’ترقی پسندوں، کو ناز ہے ۔ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا اسی کو کہتے ہیں ۔

” تصوف اور ویدانت میں زیادہ فرق نہیں ۔ یہ دونوں توام مسلک ہیں ۔ اگر کچھ فرق ہے تو یہ ہے کہ ویدانت میں توحید کا تصور کامل نہیں “ . . . ” اقبال نے عدیم النظیر استقلال کے ساتھ تمام عمر یہی مسلک پیش نظر رکھا ۔ عمیق مطالعہ نے ان پر یہ راز منکشف کر دیا تھا کہ دنیا میں ’ نفس کل ، کوئی وجود نہیں رکھتا ۔ خود ذات باری بھی ایک فرد ہے اور کائنات مختلف قسم اور درجہ کے افراد کا مجموعہ ہیں ، . . . “ ۔۱

یہ صاحب تصوف اور ویدانت کے فرق سے واقف نہیں ہیں ، لیکن انہیں اقبال کے شہودی مسلک سے واقفیت حاصل ہے ۔

راقم الحروف کی رائے میں اقبال منازل سلوک میں جذب کی راہ سے مقام فنافی الرسولؐ پر فائز تھے اور اس سلسلے میں اس مقام سے بالا تر کوئی اور مقام نہیں ہے ۔ یہیں سے عبدیت کا احساس ہوتا ہے اور عمل کی شدت ظاہر ہوتی ہے ۔ ” وہ شاعری جو ایک قوم کے قلب کو متحرک کر دے ۔ اگر بجائے خود ایک کردار و عمل ہے ، تو اقبال کی زندگی پیہم عمل تھی “ ۔۲ اس سے اقبالؒ

---

۱ ۔ اقبال اور اس کا پیغام ۔ خالد و خاور صفحہ ۴۷ ۔

۲ ۔ اقبالیات کا تنقیدی مطالعہ ۔ از قاضی احمد میاں اختر صفحہ ۱۳۹ ۔
بحوالہ مضمون خلیفہ عبدالحکیم صاحب ۔

کے مزاج میں عمل کی موجزنی پر ایک حتمی دلیل قائم ہوتی ہے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اقبال کی یہ حیثیت ارمغان حجاز میں نہایت واضح ہے ۔ عبدالسلام صاحب ندوی اپنی کتاب اقبال کامل میں رقم طراز ہیں ۔

”ڈاکٹر صاحب ایک مدت تک خودی کے نشے میں چور رہے ۔ اس لئے انہوں نے اس موضوع پر کچھ نہیں لکھا ۔ لیکن اخیر عمر میں بالخصوص زمانہ علالت میں جب ان کے دل میں غیر معمولی سوز و گداز پیدا ہوا تو انہوں نے پھر نعتیہ شاعری کی طرف توجہ کی اور اس موضوع پر ارمغان حجاز میں نہایت پر سوز اور پر درد قطعات لکھے “ ۔۱

”ڈاکٹر صاحب کی شاعری کے عنوانات میں سے سب سے زیادہ پر جوش ، پر سوز اور پر درد عنوان اس نعتیہ شاعری کا ہے . . . سچ پوچھئے تو نعتیہ شاعری ڈاکٹر صاحب کی پوری شاعری کا خلاصہ ہے . . . “ ۔۲

نذیر نیازی صاحب کا مضمون ’علامہ اقبال کی آخری علالت، اس امر پر مکمل گواہی دیتا ہے کہ علامہ زندگی کے آخری ایام میں فنافی الرسولؐ ہوگئے تھے ۔ آپؐ کا اسم گرامی سنتے ہی ان پر رقت طاری ہو جاتی اور اسم گرامی کو زبان پر لانے سے پہلے اپنے جسم کی طہارت کے سلسلے میں اطمینان کرلیا کرتے تھے . . . یہی تصوف اور سلوک کی نشانی ہے ۔

---

۱ - اقبال کامل صفحہ ۳۹۷ ۔

۲ - اقبال کامل صفحہ ۳۳۹ ۔

ارسغان حجاز کا یہ قطعہ :

بدن وا ماند و جانم در تگ و پوست
سوئے شہرے کہ بطحا در رہ اوست
تو باش ایں جا و باخاصان بیامیز
کہ من دارم ہوائے منزل دوست

اسی مقام فنافی الرسولؐ اور وحدة الشہود کی بنا پر وجود میں آیا ہے :

بکوئے تو گداز یک نوا بس مرا ایں ابتدا ایں انتہا بس
خراب جرأت آں رندپا کم خدا را گفت ما را مصطفیٰ بس

نیز — سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں
بروبم از مژہ خاک در دوست

یہاں عبدالعزیز عقل منطقی اور ظاہر پرستی کے لئے ایک ایما کے طور پر آیا ہے اور یہ تمام حصہ درد و تاثیر اور عظمت فکر و نظر کا شاہکار ہے ۔ عشق رسولؐ ہے کہ ہر ہر مصرعہ سے تار رباب کی طرح سوجیں مارتا ہوا ظاہر ہو رہا ہے ۔ شعر ہیں کہ دل کے ٹکڑے ہیں جو علامہ نے نکال کر رکھ دئے ہیں ۔ والہانہ محبت اور جوش بحر زخار کی طرح وسیع اور عظیم ہے اور مسلمانوں کی بد حالی کا دکھڑا بڑے درد و کرب اور سوز و گداز کے ساتھ سیر اسمؐ کے دربار عالی میں سنایا جا رہا ہے ۔ عمل کی توفیق اور ملت بیضا کی نشاۃ ثانیہ کے لئے دعائیں کی جارہی ہیں ۔

راقم الحروف کے خیال میں اقبال رح کی تمام شاعرانہ، حکیمانہ اور فلسفیانہ عظمت کی اصل وجہ یہی عشق رسول ص ہے، ورنہ اقبال رح کا مرتبہ دور حاضرہ کے دوسرے فلسفیوں سے کسی طرح بلند نہیں ہو سکتا تھا۔ 'منزل دوست ص' کی ہوا داری ہی نے نہیں سرداری دی ہے۔

لسان العصر کو لکھتے ہیں: ٦۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء

"خدا آپ کو اور مجھ کو بھی زیارت روضۂ رسول ص نصیب کرے۔ مدت سے یہ آرزو دل میں پرورش پا رہی ہے، دیکھئے کب جوان ہوتی ہے"۔۱ یہ آرزو جوان ہوئی تو وہ بوڑھے ہو گئے، آنکھیں جواب دے گئیں لیکن عالم خیال میں دربار حبیب ص میں جب پہنچے ہیں تو دیکھئے کیا مانگا جا رہا ہے:

تجلی ریز بر چشمم کہ بینی
بایں پیری مرا تاب نظر ہست

اس مقام کی شرح سے قلم قاصر ہے۔ ان کے قویٰ جواب دے رہے تھے لیکن روضۂ رسول کریم ص کی زیارت سے بے تاب تھے۔ دیکھو ذیل کا قطعہ ان کے دلی جذبات کی ترجمانی کس خوبی سے کرتا ہے:

بایں پیری رہ یثرب گرفتم
نوا خوان از سرور عاشقانہ
چوں آں مرغے کہ در صحرا سر شام
کشاید پر بہ فکر آشیانہ!

۱۔ اقبالنامہ صفحہ ۳٦۔

اس کے علاوہ اور چند شواہد پیش کئے جاتے ہیں :

نیاز الدین خان نے ان سے زیارت رسول کریم ص کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا " مبارک ہو۔ اس زمانے میں یہ بڑی سعادت ہے ۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہئے: تاکہ قلب محمدی ص نسبت پیدا کرے ۔ اس نسبت محمدیہ ص کی تولید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آتے ہوں ۔ خلوص دل کے ساتھ محض قرآت کافی ہے ۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ص زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ کرام رض ہوا کرتے تھے ۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا [۱] اس واسطے خاموش رہتا ہوں " ۔[۲]

نسبت محمدی ص پیدا کرنے کے لئے اقبال کی حکمت آفریں تجویز کا کمال اصحاب دل ہی جانتے ہیں ۔ شاہ ولی اللہ رح نے ہمعات میں اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ اسمائے الٰہی کا کثرت سے ذکر کرنا ہی نسبت کے لئے کافی ہو سکتا ہے ۔ اسمائے کا مفہوم جاننا لازمی نہیں ہے ۔ (تفصیلی بحث نسبت کے ضمن میں) اقبال رح قرآن کی قرآت بلند آواز سے کیا کرتے تھے ۔ اس میں اسی نسبت کی طرف اشارہ ہے اور الجیلی رح کے مسلک تصوف کی اساس ہی یہی نسبت ہے ۔

---

۱ - کیا فرماتے ہیں پرویز صاحب - ان کا مرشد اقبال رح تو پرانے رنگ کا صوفی ہے اور اس کے عقائد " جدید " نہیں ہو سکے اور وہ اس " روشنی " سے محروم ہے ، جو پرویز صاحب کو اب قرآن میں بقول ان کے نظر آتی ہے اور طلوع اسلام میں آج اسلام طلوع فرما رہا ہے ۔

۲ - اقبالنامہ جلد دوم صفحہ ۳۱۷ - ۲ جنوری ۱۹۲۳ء -

”اقبال مرحوم کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز ان کا سچا عشق رسول ؐ ہے اور اس عشق کی بدولت ان کے کلام میں اس قدر فراوانی، تخیل اور لذت موجود ہے۔ وہ مئے عشق سے مخمور ہو کر حقائق و معارف حیات کے وہ دریائے معانی بہا دیتا ہے کہ باید و شاید“۔ ۱

ہم اس بات کو اس عبارت پر ختم کرتے ہیں :

علامہ وحدۃ الوجود سے اختلاف رکھتے تھے۔ وہ وحدۃ الشہود کے قائل اور اس مقام کا احساس رکھتے تھے اور یہ مقام ولایت کبریٰ سے متعلق ہے۔ ولایت صغریٰ میں وحدۃ الوجود کا عقیدہ زیادہ مرغوب ہوتا ہے اور ولایت کبریٰ میں وحدت الشہود کا اور ہم اس فیصلے پر کبھی نہ پہنچ سکتے اگر ہمارے پاس ارمغان حجاز کی شہادت موجود نہ ہوتی۔

---

۱ - ابتدائے اقبال اور کوئٹے - از محمد اشرف خان -

قصور وار غریب الدیار ہوں لیکن
ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

(اقبال رح)

ساتواں باب

اقبال رح کے مسلک کے ارکان

رکن اول ۔ انسانی عظمت :

ہیں آدمی کے دم سے خدائی کے کھیل یاں
بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ہی نہیں

(درد)

شاعر جوش جنون کے زیر اثر اکثر اپنی ذات اور اپنے مقام کا ثبات بلند اور ارفع تصور پیدا کر لیتا ہے ۔ اسے اپنی شخصیت خاص خاص لمحات میں اپنے تمام معاصرین اور پیشروؤں سے زیادہ جامع کمالات اور زیادہ با وقار محسوس ہوتی ہے ۔ یہ تاثرات کبھی محض غلط بینی کا نتیجہ ہوتے ہیں ، لیکن ہم انہیں تمام تر شاعر کے جذبۂ تفاخر کا نتیجہ بھی قرار نہیں دے سکتے ۔ یہ درست ہے کہ فارسی اور اردو شاعری میں تعلی کا وجود ہی جھوٹے دعووں کی وجہ سے ہے اور رسمی طور پر ہی اکثر شعرا اپنی بڑائی کی ڈھینگ مارنے اور اپنے حریفوں کو کم نظر سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں اور ان کی تعلیات میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں ہوتا ۔ ان کی زندگی ان کے دعووں کی مکمل نقیض ہوتی ہے اور ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے ۔ اگر اس "ڈھینگ بازی" کی اصل معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو شاید ہم قصیدہ گوئی کے اس مزاج کو اس کی

وجہ قرار دے سکیں جو مدح و جین کی ذات سے جھوٹے کمالات منسوب کرنے میں راسخ ہو چکا ہوتا ہے اور شاعر اسی مزاج کی بدولت اپنی ذات سے متعلق بھی اسی طرح لایعنی اور غیر حقیقی بڑائیوں کا ذکر کرتا ہے یا اس کے محرکات میں شاعر کا وہ جذبہ بھی کار فرما ہو سکتا ہے جسے عرف عام میں احساس کمتری کہتے ہیں - بہر حال شاعروں کا تمام سرمایہ صرف غیر حقیقی کمالات کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اس میں حقیقی اور اصلی عناصر کی بھی فراوانی موجود ہے - شاعر اپنی ذات کے بارے میں جو کہتا ہے ان اشعار کو گہری نظر سے دیکھنے سے شاعر کی ذات کے کئی گوشے بے نقاب ہو سکتے ہیں - اس کے مزاج کا پتا چل سکتا ہے ، اس کی شاعری کی روح تک رسائی ہو سکتی ہے ، اس کی شاعری کے بنیادی محرکات کا علم ہو سکتا ہے اور اگر ایسا شاعر صوفی بھی ہو تو ان اشعار سے اس کے مسلک پر کافی روشنی پڑتی ہے -

ہمارے خیال میں اس حیثیت سے علامہ اقبال رح کی ' تعلیات ' بڑی اہمیت رکھتی ہیں- اس طرح اقبال رح آپ اپنی نظر میں دکھایا جا سکتا ہے ، جس کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے - سیرت اقبال میں طاہر صاحب نے کتاب کے خاتمے پر اس طرح کے چند اشعار جمع کئے ہیں لیکن نہایت مختصر اور کم فائدہ بخش کوشش ہے - اس کام کو اگر وہ چاہتے تو اس سلسلے کو عرب شعرا کی تعلیات سے لے کر فارسی شعرا کو شامل کرتے ہوئے علامہ تک پہنچا سکتے تھے اور اس ضمن میں یہ واضح کرنے کی بھی گنجائش نکل سکتی تھی کہ تعلی کا وجود جب کہ اس میں خلوص بھی ہو ، کسی ادب میں کب اور کس وقت ظاہر ہوتا ہے ، اقبال رح کے ہاں ان

" تعلیات "، کی کیا صورت ہے اور ان کی اہمیت کیا ہے۔

عرب شعرا کے ہاں تعلیات میں عموماً خلوص کار فرما ہے۔ ان کی شاعری حقائق پر مبنی ہوتی ہے۔ لہذا ان کے ہاں شاعرانہ مبالغے سے قطع نظر عام طور پر سچائی ہی نظر آتی ہے۔ شعرائے جاہلیت کے دواوین اور سبعہ معلقہ اس امر پر گواہ ہیں۔ عمرو بن کلثوم کو لیجئے۔ یہ بنی تغلب سے تھا۔ بادشاہ عمرو بن ہند سے اس کی لڑائی ہو گئی جس میں اس نے فتح پائی اور عکاظ کے میلے میں اپنی ذات اور اپنے خاندان کے کمالات اور مباہات کا ذکر جس جوش و خروش سے کیا ہے، وہ عرب کے مزاج کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔ وہ کہتا ہے:

" ہم تجھ کو پکی خبر دیتے ہیں کہ ہم اپنے نیزوں کو در آں حالیکہ وہ سفید ہوتے ہیں میدان جنگ میں لے جاتے ہیں اور ایسے حال میں انہیں میدان جنگ سے نکالتے ہیں کہ وہ خون سے سرخ اور سیراب ہوتے ہیں . . . جب کوئی ہمارا بچہ دودھ بڑھانے کی منزل میں پہنچتا ہے تو بڑے بڑے جابر اس کے آگے سجدے میں گر پڑتے ہیں "۔ یہ مبالغہ نہیں لیکن اس سے عمرو بن کلثوم کا مزاج واضح ہو رہا ہے۔ " جب کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو ذلیلانہ طور پر دباتا ہے تو ہم اس کے ظلم و ستم سہنے سے انکار کر دیتے ہیں "۔ اور یہ حقیقت ہے۔ عمرو بن کلثوم نے اپنی ماں کی معمولی سی توہین کے شائبہ میں ہی عمرو بن ہند کا کام تمام کر دیا تھا۔

شعرائے فارسی میں قصیدے کے رواج اور فروغ سے پہلے کی تعلیات میں واقعی جان ہے۔ قصیدہ گوئی کے دوران میں اور اس کے بعد کے اثرات تک تعلی پھکڑ بن کر رہ گئی۔ لیکن تاہم کوئی نہ کوئی شاعر

اپنی عظمت کا اعلان اس خوبی اور جوش سے کرتا ہے کہ دل اس کی عظمت کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے اور وقتی طور پر شاعر کی زندگی اور اس کے عمومی مشاغل نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں ۔

اس سلسلے میں نظیری ، عرفی اور فیضی وغیرہ کسی طرح نظر انداز نہیں کئے جا سکتے اور صوفی شعرا کے ہاں تو ان کی اپنی ذات کے بارے میں کثیر معلومات مل سکتی ہیں جو تعلیات کے تحت نہ بھی آئیں تاہم ان اشعار کا اس صنف سے تعلق ضرور ہے ۔

چند مثالیں درج کی جاتی ہیں :

کس چو حافظ نہ کشید از رخ اندیشہ نقاب
تا سر زلف عروسان سخن شانہ زدند

(حافظ)

نظیری کا ایک شعر ملاحظہ ہو :

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح
باز رفتی و کسے قدر تو نشناخت دریغ

اردو شعرا میں انیس کے ہاں بھی اس صنف کی فراوانی ہے :

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

یہ شعر فیضی کی اس تعلی سے کسی طرح کم نہیں :

اسراف معانیم نظر کن
زین گنج بہ مفلساں خبر کن

انیس کا ایک رنگ کے مضمون کو سو ڈھنگ سے باندھنے کا اظہار بھی اسی صنف سے تعلق رکھتا ہے - میر تقی میر کا یہ شعر :

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

ان کی تعلیات کا خلاصہ پیش کرتا ہے - میر درد کی "تعلیات" میں زندگی، خلوص اور انسانی عظمت کے نشانات ملتے ہیں اور ان کی 'تعلیات' علامہ کی 'تعلیات' سے ملتی جلتی دکھائی دیتی ہیں :

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

پھولے گا اس زمین میں گلزار معرفت
یاں میں زمین شعر میں یہ تخم بو گیا

ہے آستر فقر اگر سمجھو تو شاہی
سلطان ہے اگر شاہ تو میں ظل ہما ہوں

ہیں شعر فہم جتنے زمانے میں لا علاج
اے درد مانتے ہیں یہ سب آن کر مجھے

اس کمال اور بے نیازی کے بعد ان کے ہاں انسانی عظمت کا تصور دیکھئے (نہیں آدمی کے دم)

انسان کی ذات سے ہیں خدائی کے کھیل یاں
بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ہی نہیں

اس سے ہمیں اقبالؒ کا یہ شعر یاد آتا ہے :

قصور وار غریب الدیار ہوں لیکن
ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

اب یہ شعر ملاحظہ ہو :

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان میں دیکھا
جو کچھ کہ سنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا

اس شعر میں میر درد انسان کی خلافت کے کمال کا اقرار کرتے ہیں اور انہیں انسانی فضیلت کا اظہار کرنا مقصود ہے :

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے یہ کہ جہاں تو سما سکے

نیز

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

علامہ کے ہاں اس مضمون کے اشعار بکثرت ہیں :

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

میر درد اور اقبالؒ کے ہاں انسانی عظمت کے ان خیالات کے اتفاق کے ساتھ ساتھ عمل کی ضرورت پر بھی کامل اتفاق ہے :

بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے درد
ہر دم دم عیسیٰ ہے تجھے پاس نہیں ہے

میر درد صوفی ہیں ، انہیں جوش عشق اور جنوں کے کمالات کا احساس ہے :

جوش جنوں کے ہاتھ سے فضل بہار میں
گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط

اب غالب کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کے مکاں اپنا

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

کوکبم را در عدم اوج قبولی بوده است
شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن

غالب کے ہاں تعلیات میں انسانی عظمت کا تصور بھی موجود ہے اور وہ اپنی ذات کو بڑی اہمیت دیتے ہیں ۔ ان کے کلام میں عشق کی بے چارگی کا نوحہ بھی موجود ہے مگر ان کی شخصیت کا کمال ان کے ان اشعار میں واضح ہوتا ہے جہاں وہ حریفانہ کشا کش کے متلاشی اور رزم گاہ حیات میں کود پڑنے پر مائل نظر آتے ہیں ۔ اپنی وضع بدلنا نہیں چاہتے اور سبک سر بن کے محبوبہ سے سر گرانی کی پرسش تک گوارا نہیں کرتے اور وہ نہایت آزاد منش نظر آتے ہیں ۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا

(غالب)

اقبال کو غالب کے زیر اثر ثابت کرنے والے اگر ان کی شاعری کی اس صنف پر طبع آزمائی کرتے تو اردو ادب کے سرمائے میں کافی اضافے کی صورت پیدا ہو سکتی تھی -

اقبال نے اپنی ذات سے متعلق جو اشعار کہے ہیں ، ان کی تعداد دوسروں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے اور ان پر ایک مکمل کتاب لکھی جا سکتی ہے ، لیکن ہم طوالت کے خوف سے اس سرمائے میں سے صرف چند اشعار سے بحث کریں گے :

آشنائے من ز من بیگانہ رفت
از خمستانم تہی پیمانہ رفت

حق رموز ملک و دین بر من کشود :
نقش غیر از پردۂ چشمم ربود

چہ غم گر یک جہاں گم شد ز چشمم
ہنوز اندر ضمیرم صد جہان است

عجم از نغمہ ھائے من جوان شد
ز سودایم متاع او گران شد

ھجومے بود رہ گم کردہ در دشت
ز آواز درایم کاروان شد

اقبال اپنی فکر کی عظمت اور اپنے پیغام کی اھمیت کا مکمل احساس رکھتے ھیں اور اس پر نہایت خوش ھیں اور کم نظر رفیقوں کا شکوہ کرتے ھیں کہ وہ اس پیغام سے کماحقہ مستفید نہ ہو سکے -

جوش جنوں ملاحظہ ہو:

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے همت مردانہ

بیا بمجلس اقبال یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نتراشد قلندری داند

بے نیازی دیکھئے:

بشکوہ بے نیازی ز خدائگاں گذشتم
صفت مہ تمامے کہ گذشت بر ستارہ

دو عالم را تواں دیدن بمینائے کہ من دارم
کجا چشمے کہ بیند آں تماشائے کہ من دارم

دلے بے نیازے کہ در سینہ دارم
گدا را دھد شیوۂ پادشاھے

درد من گیر کہ در میکدہ ھا پیدا نیست
پیر مردے کہ سے تند و جوانے دارد

انسانی عظمت کا اعلان کتنا دلپذیر ھے:

میندیش از کف خاکے میندیش
بجان تو کہ من پایاں ندارم

نگاھم از مہ و پرویں بلند است
سخن را بر مزاج کس نگویم

اقبال رح کی ان "تعلیات" میں خلوص اور صدق اور اپنی ذات کا ذکر کرتے ہوئے انسانی نمائندگی کے تصورات نہایت اہم

ہیں ۔ دوسرے شعرا کے ہاں اپنی ذات سے ہی واسطہ رکھا جاتا ہے ۔ لہذا اس قسم کے اشعار کو تعلی کہہ سکتے ہیں ۔ لیکن علامہ کے ہاں اس صنف کے اشعار ان کے اسرار و رموز اور ان کے پیام کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان کی ذات اور ان کے کمالات شعری میں حد فاصل قائم نہیں رہتی بلکہ علامہ اپنی ذات اور تعلیم کو ایک ہی شے تصور کر کے جب اپنی عظمت کا اعلان کرتے ہیں تو یہ اعلان ان کی تعلیات سے زیادہ متعلق ہوتا ہے اور اسی تخصیص کی بنا پر ان کا مرتبہ دوسرے شعرا سے بلند ہے اور اس کی وجہ ان کا وہ تصور عظمت آدم ہے جو ان کے تصوف کا ورد اولی ہے ۔

'تعلیات' کا یہ سلسلہ ان کے ذہنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ چلتا ہے ۔ بانگ درا میں ان کی صورت

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

اور

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

تک محدود رہتی ہے ۔ لیکن زبور عجم اور ارمغان حجاز میں اس تصور میں مکمل تبدیلی اور پختگی آ جاتی ہے اور شاعر حکیم کی عظمت اس کی اپنی زبانی سن کر دل زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اسے مجذوب کی بڑ سمجھ کر طبیعت مکدر نہیں ہوتی ۔ ارمغان میں اقبال رح حضور رسالت ص میں اپنی ذات سے متعلق جو گذارش کرتے ہیں ان اشعار میں حقیقت ہی حقیقت ہے اور انہیں سے اقبال رح کے صوفی ہونے

پر دلیل قائم کی جا سکتی ہے ۔ مسلمان کتنا ہی گیا گزرا ہوا کیوں نہ ہو وہ دربار رسالت ص میں جھوٹ نہیں بول سکتا ۔ بول سکنا تو کجا وہاں بولنے کی سکت اور ہمت کہاں ہوتی ہے ؟

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید رح و بایزید رح اینجا

اور علامہ اقبال رح جس ایقان اور اطمینان کے ساتھ عرضداشت کرتے ہیں اس سے خلوص صداقت اور عرفان کے چشمے ابلتے نظر آتے ہیں اور عقل و خرد کا جمود اور استدلال کی 'چوب پائی' بے سرو سامانی اور بے وقعتی کا شکار ہو کر سیماب پا ہو جاتی ہے :

ارزاں نورے کہ از قرآں گرفتم
سحر کردم صد و سی سالہ شب را
ازاں نمرود با من سر گران است
بہ تعمیر حرم کوشیدہ ام من

اور اس حقیقت سے کسے انکار ہے کہ اقبال رح کے نفس گرم سے غلامی کی شب دیجور سحر پر نور میں تبدیل ہوتی ہے :

چوں رومی رح در حرم دادم اذاں من
ازو آموختم اسرار جاں من
بہ دور فتنہ عصر کہن او
بہ دور فتنۂ عصر رواں من

رومی رح نے اپنے وقت میں جس طرح 'عقلیات' کی شرر انگیزی اور محشر انگیزی کا سد باب کیا اور ایمان اور ایقان کی جانب

رهنمائی کی وہ اہل علم پر روشن ہے اور اس کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں ہے اور اقبال رح نے اپنے زمانے میں جس طرح مغرب کی فوقیت اور غیر اسلامی تصورات کی جامعیت کی حقیقت واضح کی ہے ، اس کا کچھ احساس پڑھے لکھے طبقے کو ہے اور آج ہم ان کی تشخیص اور نسخے کو اپنے قریب المرگ جسم کے لئے ' آب حیات ، کی حیثیت سے آزما چکے ہیں ۔ ہمیں اپنے اس عبوری عہد کی داخلی کمزوریوں اور خلفشار سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اور اپنے سرمایۂ علم و عرفان سے تمسک کرنا چاہئے ۔

اقبال رح کو اس بات کا شدید احساس ہے کہ اہلِ وطن نے ان کی حکمت سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھایا :

چو رخت خویش بر بستم ازیں خاک
همه گفتند ، با ما آشنا بود ،

و لیکن کس ندانست این مسافر
چه گفت و با که گفت و از کجا بود

رکن دوم

عشق

عقل هم عشق است و از ذوق نگه بیگانه نیست
لیکن این بے چاره را آن جرأت رندانه نیست

(اقبال)

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

(اقبال

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفےؐ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام!

اقبال اور عشق رسول ؐ

I

هر که عشق مصطفےؐ سامان اوست

بحر و بر در گوشۂ دامان اوست

جیسا که پہلے بیان کر آئے هیں اقبال رحؒ کے نزدیک عشق هی جمله کمالات کا منبع اور تمام فیوض و برکات کا سر چشمه هے۔ عقل بے مایه امامت کی سزا وار نہیں هے۔ هر وقت اور هر موقع پر اس هتهیار سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ یه سراب کو آب اور آب کو سراب بتایا کرتی هے اور اسی میں اس کا کمال مضمر هے۔ اس کے سہارے چلنے والے منزل مقصود تک نہیں پہنچا کرتے اور وه همیشه سرگردان و حیران اور گور در بیابان هوتے آئے هیں اور جنهوں نے عقل کی اس سراسیمگی کا جائزه لے کر اسے مناسب حدود میں رکھا اور عشق سے تمسک اختیار کیا وه کامران هو گئے، ان کا هاتھ محمل تک پہنچ گیا اور وه موج خرام یار کے تعاقب میں نشان راه گننے سے بچ گئے۔

اقبال رحؒ کے هاں صوفیۂ متقدمین کی تقلید اور اپنے تجربه و مطالعه کی بنا پر عشق کے معنی نہایت وسیع هیں، جن کا احاطه کرنا یہاں دشوار هے، بہر حال سر سری اشاره کرنا نا گزیر هے۔

ان کے نزدیک عشق کائنات کے جمله اجسام کی حرکت اور

ان کے عمل کی روح و رواں ہے - اسی کے دم قدم سے زندگی کی رنگینی ہے :

عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک

عشق ہے صہبائے خام ، عشق ہے کاس الکرام ،

اس کے جوش کی بدولت مذہب میں انہماک ، خلوص اور پختگی آتی ہے اور قلب و نظر کو مسلمانی ملتی ہے ورنہ زبان سے لا اله کا اقرار بے معنی ہے :

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نظر جو مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اور یہ نہ ہو تو مذہب اپنی تمام کاملیت کے باوجود بے معنی اور جامد ہو جاتا ہے :

عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اسی عشق کی مستی سے ممولا ، شہباز سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے :

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

اقبال رح کے عشق کی اس عظمت اور جانداری کا تصور صوفیائے متقدمین کے ہاں بھی ملتا ہے اور رومی رح تو اس معاملے میں ان کے استاذ اور پیر و مرشد ہیں - لیکن اقبال رح نے جدید تقاضوں کا لحاظ رکھ کر اسے جس جامعیت اور تکمیل کے ساتھ پیش کیا ہے ،

اس نے عشق کے کمالات کے آگے درد دل والوں کے سر تسلیم کو خم کر دیا ہے ۔

ولولۂ حیات ، کچھ کر لینے کی تمنا ، بے خوف و خطر ہو کر اپنے کام میں مصروف رہنا ، انسانیت کے احترام اور اپنے مسلک کی بقا کے لئے تن ، من ، دھن کی بازی لگا دینا اور بے نیازی کے عالم میں کسی کو خاطر میں نہ لانا :

ز شکوہ بے نیازی ز خدائگاں گذشتم

اور عمل میں دوامی مصروفیت، یہ تمام اسی جذبے کی بدولت میسر آتا ہے ۔ علامہ رح نے اسی سعی پیہم کو یوں ظاہر کیا ہے :

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن ، نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

اقبال رح کے ہاں عمل کی یہ بے پناہ قوت ، رحمة للعالمین ص کے دربار عالی سے فیض یاب ہو کر رحیمی شان سے سر فراز ہے اور اقبال رح کا مرد مومن جو عشق کا پتلا ہے ، بڑا رحیم و کریم ہے :

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام

اور یہ مرد کامل دنیا کی آبادی کا پیامبر ہے اور اس کی تعمیر میں جلال و جمال دونوں عناصر کار فرما ہوتے ہیں :

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اور وہ فساد فی الارض سے بچتا ہے اور امن کا مشعل بردار ہے اور اس طرح فرشتوں کے اس پہلے اظہار دانشمندی کی کم از کم اپنے عمل سے تردید کرتا ہے کہ یہ آدم جو دنیا میں فساد بپا کرے گا اسے خلیفہ مقرر فرمایا جا رہا ہے اور ہم اس سے محروم ہیں جو تیری تسبیح میں ہر لمحہ مصروف ہیں -

مختصراً یہ کہ صاحب عشق ذیل کے شعر کی تفصیل پیش کرتا ہے :

گذر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

II

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اقبال رحؒ کا مدت‌العمر تک یہ وظیفہ رہا ہے کہ عشق رسولؐ میں قیام دکھایا جائے یعنی اسباب و عوامل اور نتائج و عواقب اور خوف و رجا کے سلسلے میں اسی طرح عمل پیرا ہوا جائے جس طرح نبی کریمؐ نے عمل پیرا ہو کر اتمام حجت فرما دی ہے - جب یہ احساس دل کی گہرائیوں میں قوی ہو جائے تو اس مرد کامل سے کاملیت کے طلبگار کو عشق ہو جانا ضروری ہے اور قلب کی گہرائیوں میں آپ سے محبت کا احساس پانا ہی ایمان کی تکمیل اور یہی معراج انسانیت ہے ورنہ تمام تگ و دو بواللہبی ہے :

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست

اور جو کوئی یوں محسوس کرنے کی سعادت سے سر فراز ہو جائے اسے روحانیت کی تاریخ میں اور اصطلاح عام میں صوفی کہا جاتا ہے۔ وہ پشمینہ پوش ہو یا نہ ہو، سجادہ پر بیٹھتا ہو یا نہ ہو، خرقہ پہنا کرتا ہو یا نہ ہو، اسے یہ ظاہری ورثہ ملا ہو تو فبہا اور اگر وہ کسی مصلحت کی بنا پر اس حلیے سے آراستہ نہ ہو تاہم اسے اہل نظر حلقۂ درویشاں سے خارج کرنے کی جرآت نہیں کر سکتے۔ جو قلندر دو حرف لا الہ ہی رکھتا ہو اسے قلاش و مفلس کہنا اپنی بے بساطی، کم نظری اور بے مروتی کا اعلان کرنا ہے۔

اقبال رح نے عشق رسول ص کو دل کی گہرائیوں میں متمکن کیا ہے اور اسی تمکن نے اسے آسمان شہرت کے عرش پر جا گزین کیا ہے اور صاحب حضور بنایا ہے اور یہ قال سہین کسی کی سند پر اظہار حال ہے۔

اقبال رح کی یہ نعت گوئی دوسروں سے ممتاز ہے اور ہم اس پر ذرا تفصیل سے اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں۔

بیعت، عقیدت اور نعت رضاعی بہن بھائی ہیں۔ اگر انہیں توام کہا جائے تب بھی بے جا نہ ہوگا۔ نعت رسول مقبول ص کا سلسلہ ابتدائے اسلام سے چلتا ہے اور "انا رفعنا لک ذکرک" کے پیش نظر قیامت تک جاری رہے گا۔ ہم نے اس سعادت سے کنارہ کشی کی تو دنیا کی کوئی اور قوم اس سے ہمکنار ہو کر آبیار ہو جائے گی۔

حسان بن ثابت رض سے لے کر آج تک نعت کے میدان میں ہر نعت گو کے مزاج کے مطابق بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہوتی آئی ہیں۔ اکثر و بیشتر جناب رسالت ص پناہ کے حسن و جمال اور سراپے کو

پیش نظر رکھا گیا ہے اور حسن شمائل کی جانب اشارے ہونے کے با وجود نعت میں مدح ، قصیدے کے رنگ اور معجزات کے کمالات کی فراوانی رہی ہے لیکن اقبال رح کے ہاں صورت حال دگرگوں ہے۔ ان کی نعت تبلیغ اسلام ہے اور سیرت رسول ص ہے اور یہ ان کے دل کی آواز ہے ، جس میں تاثر و کیف کے قلزم محصور ہیں۔

ہم ذیل میں ان کے اردو و فارسی کلام سے نعتیہ اشعار کا انتخاب کرکے اس کے پہلو بہ پہلو دوسرے عظیم شعرا اور عارف حضرات کا نعتیہ کلام اس نیت سے پیش کرتے ہیں کہ اقبال رح کا سچا عشق رسول ص واضح کیا جا سکے :

سید کل صاحب ام الکتاب
پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب

با خدا در پردہ گویم باتو گویم آشکار
یا رسول اللہ آو پنہاں و تو پیدائے من

افتابش را زوالے نیست ، نیست
منکر آو را کمالے نیست نیست

دامنش از دست دادن مردن است
چوں گل از باد خزاں افسردن است

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمۃ للعالمینی انتہاست

پس کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نور مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

پیش او گیتی جبین فرسودہ است
خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است

عبدہٗ از فہم تو بالا تر است
زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است

جوہر او نے عرب، نے اعجم است
آدم است و ہم ز آدم اقدم است

عبدہٗ صورت گر تقدیر ہا
اندرو ویرانہ ہا تعمیر ہا

عبدہٗ ہم جانفزا، ہم جانستاں
عبدہٗ ہم شیشہ ہم سنگ گراں

عبدہٗ با ابتدا بے انتہا است
عبدہٗ را صبح و شام ما کجا است

کس ز سر عبدہٗ آگاہ نیست
عبدہٗ جز سر الا اللہ نیست

مدعا پیدانه گردد زیں دو بیت
تانه بینی از قیام 'مارمیت'

لا اله تیغ و دم آو عبدہٗ
فاش تر خواھی بگو ھو عبدہٗ

جاوید نامے میں یه مقام سب سے زیادہ مشکل اور نہایت نازک اور دقیق ھے ۔[۱]

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وھی اول وھی آخر
وھی قرآں ، وھی فرقاں ، وھی یٰسین وھی طاھا

آیۂ کائنات کا معنئ دیریاب تو
نکلے تیری تلاش میں قافلہ ھائے رنگ و بو

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

بوریا ممنون خواب راحتش
تاج کسریٰ زیر پائے امتش

۱ - راقم الحروف نے اپنے مقالہ '' اقبالیات کا تنقیدی مطالعہ '' میں اس پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ھے ۔

وقت بیجا تیغ او آهن گداز
دیدۂ او اشک بار اندر نماز

از کلید دین در دنیا کشاد
همچو او بطن ام گیتی نه زاد

در نگاه او یکے بالا و پست
با غلام خویش بر یک خوان نشست

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے که آنجا دلبر است

نسخۂ کونین را دیباچه اوست
جمله عالم بندگاں و خواجه اوست

معنئی حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری با دیده صدیق اگر

قوت قلب و جگر گردد نبی ص
از خدا محبوب تر گردد نبی ص

یہی وہ نازک مقام ہے جہاں اقبال رح کی نیاز مندی کا کمال ہے جسے کم فہم ، کم بین اور عقل پرست گستاخی پر محمول کرتے ہیں اور اقبال رح کا مقام بندوں کی نظروں سے اوجھل رہ جاتا ہے ۔

من نه دانم مرز بوم او کجا است
ایں قدر دانم که با ما آشنا است

جوہر مصطفےؐ کی اصلیت و ماہیت سے کون واقف ہے ۔ یہ آفاقی ، بے جہتی اور زمان کی حدود سے ماو رائے اور اس کے باوجود زمان کی پابندیوں میں زندگی کے مقاصد کے لئے قیام فرما ہوتا ہے ۔ ازل اس کے پیچھے ہے اور ابد اس کے سامنے ہے ، نہ حد اس کے پیچھے ہے اور نہ حد سامنے ہے :

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

یہ زندگی کی روح اور کائنات کے امن کا خلاصہ ہے اور اس کے مقام سے جو شخص جتنا دور ہوگا وہ اتنا ہی مومنین کے گروہ سے مہجور ہوگا :

از مقام او اگر دور ایستی
از میان معشر ما نیستی

یہ جوہر جب ظہور کرتا ہے ، تو زندگی پر شباب آتا ہے ، اضمحلال اور رجعت کی قوتیں معرض زوال میں پڑ کر فنا ہو جاتی ہیں اور نئی قوتیں جنم لے کر زندگی کے اعلیٰ اقدار کو زندہ کرتی ہیں :

اے ظہور تو شباب زندگی
جلوہ ات تعبیر خواب زندگی

اقبالؒ عشق رسولؐ میں جذب ہو گیا تھا اسے جذب کے ان لمحات میں جو دنیا نظر آتی تھی ، اس کی چند جھلکیاں ارمغان حجاز میں ہی دیکھی جا سکتی ہیں :

بیایاں چوں رسد این عالم پیر
شود بے پردہ هر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضور خواجہ ص مارا
حساب من ز چشم او نہاں گیر

اقبال رح کو یہ غیرت اور شرم کھائے جا رہے هیں کہ روز محشر وہ اپنے آقا اور دوست کے سامنے شرمندہ نہ ہونے پائے اور دل والے جانتے هیں کہ ابن آدم اپنے محبوب کے سامنے شرمندہ ہونے سے بڑا خائف اور لرزہ بر اندام ہوا کرتا ہے ۔

دیکھئے دربار رسالت ص میں اقبال رح اپنے آقا ص و مولائے یثرب سے کس رنگ سے التجا کرتا ہے :

مسلماں آں فقیر کج کلاہے
رمید از سینۂ او سوز آہے
دلش نالد ، چرا نالد ، نداند
نگاہے یا رسول اللہ ص نگاہے

آخری مصرعے کا وجد و کیف زبان قلم سے ظاہر کرنا دشوار هی نہیں نا ممکن بھی ہے ۔

اب هم اقبال رح سے پہلے چند نعت گو حضرات کے کلام میں سے کچھ اشعار پیش کرتے هیں :

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ و آلہٖ

(سعدی)

از رایت کبریا موید مر لشکر انبیا محمدص (فیضی)

بر دانش ما انجم و افلاک بخندند
گر صاحب لولاک لما را نشاسیم (فیضی)

جہاں روشن است از جمال محمدص
دلم زندہ شدا ز وصال محمدص
دیدۂ عالم بتو روشن شود
گلخن گیتی بہ تو گلشن شود (جامی)

نظامی گنجوی : خاک تو خود روضۂ جان من است
روضۂ تو جان جہان من است

حکیم سنائی : طنیشش زینت جہان آمد
ساحتش راحت روان آمد

عطار : بے کساں را کس توی در ہر نفس
من نہ دارم در دو عالم جز تو کس
یک نظر سوئے من غم خوارہ کن
چارہ کار من بے چارہ کن
دیدۂ جاں را لقائے تو بس است
ہر دو عالم را رضائے تو بس است

حافظ : لا یمکن الثناء کما کان حقه ،
بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

امیر خسرو رح : من که بجان تشنهٔ جوئے تو ام
خسروم اما سگ کوئے تو ام

قدسی : نسبت خود به سگت کردم و بس منفعلم
زانکه نسبت به سگ کوئے توشد بے ادبی

اور اس سلسے کی آخری کڑی کے طور پر مولانا ظفر علی خان مرحوم کا یه شعر ملاحظه هو :

دل جس سے زنده هے وه تمنا تم هی تو هو
هم جس میں بس رهے هیں وه دنیا تم هی تو هو

دوسرے مصرعے کی جتنی تعریف کی جائے کم هے ۔

اس سرسری خاکے سے یه واضح هو گیا هوگا که اقبال رح اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں هیں بلکه ان کا رنگ نرالا ، اعلیٰ اور ان کے پیام کی مطابقت میں بڑا قابل قدر هے ۔

اقبال رح کے ہاں تصوف کی ضرورت حصول
کرامت کے لئے نہیں بلکہ تعمیر اخلاق کے لئے
ہے اور بزرگان دین کے مسلک سے اس کی
تصدیق ہوتی ہے -

رکن سوم

حسن اخلاق

"تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے اور یہی مفہوم قرون اولیٰ میں اس کا لیا جاتا تھا تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا ۔ ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق سوشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے"۔

اقبال رح

حضرت مجدد الف ثانی رح نے حضرت محمد ص سے وابستگی کو دین قرار دیا ہے ۔ ان کے نزدیک "تصوف فقط تزکیہ اخلاق میں مدد دیتی ہے اور ایمان بالغیب ہی حق ہے ، اتباع سنت ہی ارتقائے روحانی کی منزل آخر . . . " (نظریۂ توحید) ۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(سعدی رح)

اگر شیخ کا مسلک نبی کریم ص کے مسلک سے اختلاف رکھتا ہو تو اسے ترک کر دینا چاہئے ۔

" مشرب پیر... حجت نمے شود دلیل از کتاب و حدیث مے باید " -۱

حضرت خواجہ جنید بغدادی رح اس منزل کی رسم و راہ کا اعلان اس طرح کرتے ھیں :

" ایں راہ کسے ناید کہ کتاب بر دست راست گرفتہ باشد و سنت مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم بر دست چپ ، و در روشنائی ایں دو شمع مے رود - تانہ در مناک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت " -۲

حضرت شیخ ابوالحسن علی ھجویری رح "(داتا صاحب)" روحانی ترقی کے لئے اتباع سنت کو لازمی قرار دیتے ھے اور ان کے نزدیک تصوف شریعت کی پابندی کا نام ھے -

"رکن اول از شریعت کتاب است - چنانچہ گفت عز من قال فیہ ایات محکمات ھن آم الکتاب ، و دیگر سنت است چنانکہ گفت و ما اتکم الرسول مخذوہ و ما نھکم عنہ فانتھوا و سیوم اجماع امت است چنانکہ رسول گفت علیہ السلام لا یجتجمع امتی علی الضلالۃ علیکم بالسواد الا عظم " -۳

حضرت شاہ حکیم اللہ دھلوی ایک خط میں لکھتے ھیں (مکتوب نمبر ۹۵) -

---

۱ - شیخ نصیر الدین چراغ دھلوی رح - اخبار الا خیار صفحہ ۸۱ - شیخ عبدالحق رح -

۲ - تذکرہ اولیا صفحہ ۸ -

۳ - کشف المجوب صفحہ ۱۱ -

" اے برادر ! در تفاوت مراتب فقرا اگر امروز خواهی که دریابی ، بجانب شریعت او نگاه کن که شریعت معیار است ۔ معیار فقر بر شریعت روشن مے گردو " ۔۱

" تصوف اخلاق پسندیدہ کا نام ہے " ۔۲ ابو علی

" تصوف خلق نیک کا نام ہے " ۔۳ مرتعش

حضرت شاہ کلیم اللہ رح نے اپنے مرید با صفا نظام الدین اولیا کو رموز و نکات سمجھائے ۔ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ :

" بر نہج شریعت باید رفت " ۔۴

" آنچه در شریعت راسخ نیست ، ناقص است بلکه طریقت و حقیقت او معلوم ، که حقیقتے ندارد ۔ مرد آن است که جامع باشد میان شریعت و طریقت و حقیقت . . . " ۔۵

سہل بن عبداللہ تستری رح فرماتے تھے "کہ جس وجد کی شہادت کتاب اللہ و سنت رسول صلعم نہ دیں ، وہ باطل ہے " ۔۶

شیخ ابوالحسن احمد حواری رح سے منقول ہے "کہ اتباع سنت نبوی سے باہر ہو کر جو عمل کیا جائے ، وہ باطل ہوگا " ۔۷

---

۱ - مکتوبات کلیمی صفحہ ۲۷ -
۲ - " کشف المجوب صفحہ ۴۸ -
۳ - کشف المحجوب صفحہ ۴۷ -
۴ - مکتوب ۹۵ ، صفحہ ۲۷ (مکتوبات کلیمی) -
۵ - مکتوب ۹۵ ، صفحہ ۲۷ -
۶ - صفحہ ۲۲ تصوف اسلام -
۷ - صفحہ ۱۷ - رسالہ قشیریہ -

لیس التصوف رسوماً ولا علوماً ولکنهٗ اخلاق' (کشف المجوب)

تصوف رسوم و علوم کا نام نہیں ہے بلکہ اخلاق کا نام ہے۔

"توحید اور اتباع سنت تصوف کا متن ہے اور کرامت و خرق عادت اس کا حاشیہ"۔

(راقم الحروف)

"بد آنکه از جمله ضروریات طریق مسلک اعتقاد صحیح است که علماء اهل سنت آن را از کتاب و سنت و آثار سلف استنباط فرموده اند . . . و اگر بالفرض خلاف آن معانی مفهوم بکشف و الهام امرے ظاهر شود آن را اعتبار نه باید کرد۔ واز آن استعاذه باید نمود"۔[۱]

(مکتوبات امام ربانی)

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب حیات مجدد باب "اصلاح تصوف" جس میں مکتوبات کے حوالے دے کر اس مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے۔

کتب امدادی

۱- اقبالنامہ جلد ۱، ۲ - مجموعہ مکاتیب اقبال — پروفیسر عطاء اللہ

۲- الغزالی رح — شبلی نعمانی رح

۳- اقبال — انجمن ترقی اردو

۴- اقبال کامل — عبدالسلام ندوی

۵- اردو جنگ عظیم کے بعد — سید عبداللہ ڈاکٹر

۶- اخبار الاخیار — ~~شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی~~ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح

۷- اقبال اور اس کا پیغام — خالد و خاور

۸- اقبال کی شاعری — عبد المالک

۹- اقبالیات کا سرسری جائزہ — قاضی احمد میاں اختر

۱۰- تصوف اسلام — مولانا عبدالماجد دریابادی

۱۱- تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ — محمد سرور پروفیسر

۱۲- تصوف اور اردو شاعری — سید صفی حیدر پروفیسر

۱۳- تفہیمات الٰہیہ — شاہ ولی اللہ رح

۱۴- تاریخ مشائخ چشت رح — خلیق احمد پروفیسر

۱۵- حضرت مجدد کا نظریۂ توحید — ڈاکٹر برہان الدین احمد

۱۶- حکمت اقبال — رشید (مرتب)

۱۷- خطبات اقبال (مجموعہ تقاریر)

۱۸- رود کوثر — شیخ محمد اکرام

۱۹- رسالہ قشیریہ — امام ابوالقاسم قشیری رح

۲۰- سیرت اقبال — محمد طاہر فاروقی

۲۱- صبغۃ اللہ — شیخ غلام احمد صاحب

۲۲-	عوارف المعارف	شیخ شہاب الدین سہروردی رح
۲۳-	عرفان اقبال اور افادات نیازی	محمد بشیر مخفی
۲۴-	فلسفۂ فقرا	نواب سر احمد حسین نظام جنگ بہادر
۲۵-	فوائد الفواد	شیخ نظام الدین اولیا رح
۲۶-	فتوح الغیب	حضرت غوث اعظم رح
۲۷-	فلسفۂ عجم	علامہ اقبال رح
۲۸-	قرآن مجید و احادیث نبی کریم	
۲۹-	کتاب اللمع	شیخ ابو النصر سراج رح
۳۰-	کشف المحجوب	حضرت داتا گنج بخش رح
۳۱-	لوائح جامی	مولانا جامی رح
۳۲-	مقام اقبال	اشفاق حسین
۳۳-	ملفوضات اقبال (مجموعہ مضامین)	
۳۴-	منطق الطیر	فرید الدین عطار رح
۳۵-	مکتوبات کلیمی	شاہ کلیم اللہ دہلوی رح
۳۶-	مکتوبات امام ربانی (فارسی نسخہ)	
۳۷-	نیرنگ خیال (اقبال نمبر ۱۹۳۲ء)	
۳۸-	نئی قدریں	ممتاز حسین
۳۹-	ہمعات	شاہ ولی اللہ رح
۴۰-	تذکرۃ الاولیاء	
۴۱-	بھگوت گیتا (ملفوظات شری کرشن جی)	مترجم شانتی رام
۴۲-	Iqbal's Educational Philosophy	خواجہ غلام السیدین
۴۳-	Iqbal, His Art & Thought	عبد الواحد
۴۴-	The Poet of the East	عبد اللہ انور بیگ
۴۵-	A Study in Iqbal's Philosophy	بشیر احمد ڈار

۳۶- The Secrets of the Self — (ترجمہ اسرار) نکلسن

۳۷- Six Lectures on the re-Construction of Relegiuos Thought in Islam. — علامہ اقبال

۳۸- تصانیف اقبال ، بالخصوص

الف ۔ ارمغان حجاز — ۱۹۳۸ء

ب ۔ اسرار و رموز — ۱۹۱۸ء

یکے از مطبوعاتِ بزمِ اقبال لاہور

(14)

اقبال اور تصوف

از

پروفیسر محمد فرمان ایم اے

بزمِ اقبال
نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور